محرم الحرام 1436ھ
نومبر 2014ء

ماہنامہ

المُرشِد

اللہ
رسول
محمد

اَلشَّیطٰنُ جَاثِمٌ عَلٰی قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ فَاِذَا ذَکَرَ اللّٰہَ خَنَسَ وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ (بخاری)

کہ شیطان انسان کے قلب پر نظر جمائے گھات میں بیٹھا رہتا ہے۔ جب انسان اللہ کا ذکر کرے وہ دور ہٹ جاتا ہے اور جب یادِ الٰہی سے غافل ہو آگے بڑھ کر اس کے قلب میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔ (الحدیث)

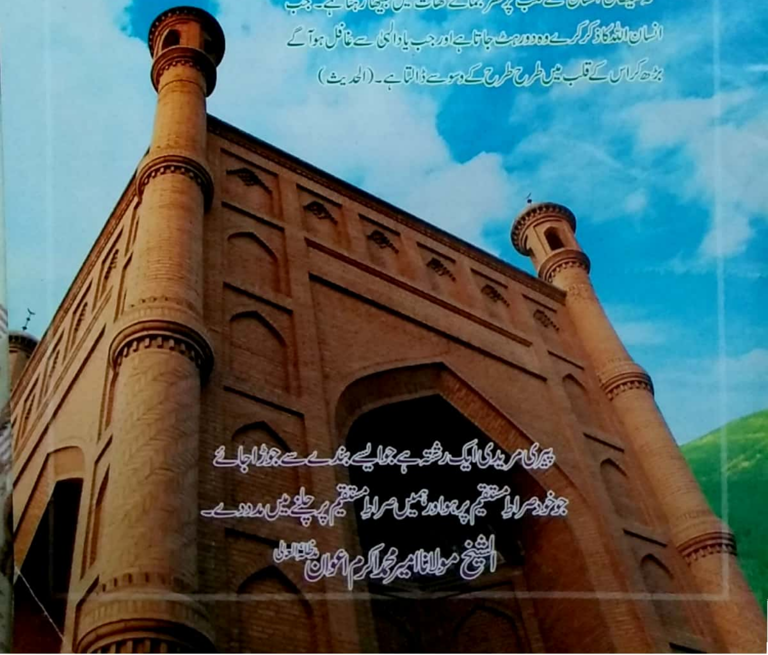

پیری مریدی ایک رشتہ ہے جو ایسے بندے سے جوڑا جائے جو خود صراطِ مستقیم پر ہو اور ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے میں مدد دے۔

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

تصوف

تصوف کیا ہے؟

انسانی روح کی وسعت و کمالات کا احاطہ انسانی دماغ کی محدود صلاحیتوں کیلئے ناممکن ہے۔ انسانی دماغ تو دلائل کی زبان سمجھتا ہے، لیکن کیا انسان ہر فیصلہ دلائل کے مطابق کرتا ہے؟ قرآن مجید میں گذشتہ اقوام کے احوال اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ تمام دلائل و معجزات کے باوجود انہوں نے انبیاء کا انکار کیا۔ گویا دلائل حقہ بھی اُن کو سر جھکانے پر آمادہ نہ کر سکے۔ دراصل آمادگی دل کی خصوصیت ہے۔ جب دل بات سننے پر آمادہ ہو تو بتانے والے کی بات پر غور کرنا بھی نصیب ہوتا ہے۔ جبکہ بتانے والی ہستی اللہ کا پیغمبر بھی ہو تو جو سراپا حق اور ہدایت ہو تو بات سُن کر دل و جان سے فدا ہونا ہی زیب دیتا ہے۔ دل کی آمادگی کو انابت بھی کہا جاتا ہے اور یہی وہ پہلا قدم ہے جو حق کی طرف اُٹھتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو دل و دماغ پر برتری ثابت کرتی ہے کہ اگر انسان کے پاس قلب منیب نہ ہو تو وہ کبھی اپنے مقصدِ حیات کو نہیں پا سکتا۔ دماغ لاکھ دلائل پیش کرے دل کا فیصلہ نہیں بدل سکتا۔ اس کا اظہار کتنی شدت سے مکہ مکرمہ میں دیکھا جا سکتا ہے کہ اس مجسمِ حق و نور کو جنہیں قبل از بعثت اہل مکہ "صادق" اور "امین" کے لقب سے پکارتے ہیں، جو خود اللہ کی برہان ہیں، اُن کا انکار کر دیتے ہیں۔ دلوں میں انابت ختم ہو چکی ہے اور سراج منیر کے روبرو آنے کے باوجود ظلمتوں میں غرق ہو جاتے ہیں۔

ان کے دلوں میں تکبر اور عناد جم چکا تھا۔ غافل قلوب کو حق سننے پر آمادہ کرنے کا فن تصوف ہے کہ اللہ کے ذکر کی تکرار سے قلب کو اتنا دھو یا جائے کہ نیچے دفن انابت زندہ ہو جائے اور قلب وحق سننے اور قبول کرنے کیلئے آمادہ ہو جائے۔ اس فن کے مظاہرین صوفیاء و مشائخ کہلاتے ہیں۔ اُن کی محبت میں رہ کر خلوص سے طلب رضائے الٰہی کیلئے مجاہدہ کرنے سے قلب حیاتِ نو پاتے ہیں۔ جب قلب منور ہو جاتا ہے تو دماغ اور ظاہری حواس بھی حق سننا، دیکھنا اور قبول کرنا ہی پسند کرتے ہیں۔ اس ساری تگ و دو کا نام تصوف ہے۔

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

نومبر 2014ء محرم/1436ھ

جلد نمبر 36 شمارہ نمبر 3

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن مینیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
کلام شیخ	سیماب اویسی	5
اقوال شیخ	انتخاب	6
طریقہ ذکر		7
ماہانہ بیان	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	15
اکرم التفاسیر	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	20
سوال وجواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	29
کربلا کی حقیقت	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	33
خواتین کا صفحہ	ام قاران، راولپنڈی	42
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	46
ساتی مجلہ	ابوزید محمد اکرم	49
The Objective of Supplication	Ameer Muhmmad Akram Awan MZ	54
A LIFE ETERNAL CH:21	Abul Ahmadain	56

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطی کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 سٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فارایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
Ph:042-35180381, Email:monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ: www.oursheikh.org
Ph:0543-562200, FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

یہاں اس دائرے میں اگر کراس ✕ کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ ....وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ (البقرہ: 41)

اور اس حقیقت پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل فرمائی ہے اور جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرتی ہے نہ صرف اس معنی سے کہ قرآن تورات و انجیل کو مُنزّل من اللہ بتاتا ہے بلکہ عملاً بھی ذاتِ نبی ﷺ اور قرآن کریم اس پیشگوئی کو جو پہلی کتابوں میں آپ ﷺ کے بارے میں تھی، حرف بحرف پورا کر کے ان کی تصدیق فرماتے ہیں لہٰذا تمہیں زیب نہیں دیتا کہ تم ہی پہلے انکار کرنے والے بن جاؤ، اور دوسرے لوگ جو تمہیں عالم جانتے ہیں تمہاری وجہ سے انکار کرتے چلے جائیں تو اس طرح تم نہ صرف اپنے کفر بلکہ دوسروں کے کفر کے بھی ذمہ دار قرار پاؤ گے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ نیکی کی ترغیب دینے والا بھی اسی قدر ثواب پاتا ہے جتنا اُس پر عمل کرنے والا اور بدی کی دعوت دینے والا یا بُرائی ایجاد کرنے والا اسی قدر گناہ پاتا ہے جس قدر لوگ اس پر عمل کرتے چلے جاتے ہیں۔

یہاں صوفیوں کے لیے بہت باریک بات ہے کہ ان کی بعض حرکات کی وجہ سے لوگ اہل اللہ سے بدظن ہو جاتے ہیں جس کے لیے یہ ذمہ دار ہوں گے اور بعض عادات جو خلافِ سنت ہوتی ہیں لوگ اپنا کر اُن پر ہمیشہ بوجھ لادتے رہتے ہیں۔ اس لیے صوفی کو چاہیے کہ عادت تک کی نگہبانی کرے کہ یہ لوگ مقتدا ہوتے ہیں۔ آیات کے بدلے دُنیا حاصل کرنے میں نہ لگ جاؤ جو ایک قلیل معاوضہ ہے اور بہت تھوڑی قیمت ہے کہ ساری دنیا بھی بدلے میں ملے پھر بھی کم ہے چہ جائیکہ تم حقیری رقم یا وقتی اقتدار کی ہوس میں توراۃ کی آیات بدل دیتے ہو۔ کچھ تو اللہ کا خوف کرو یعنی اقتدار کے جانے کا غم نہ کرو، دولت نہ ملنے کا اندیشہ نہ رکھو بلکہ میری ناراضگی سے ڈرو۔

یہاں معارف قرآن میں اس موضوع پر بحث ہے کہ کیا ائمہ مساجد کو تنخواہ لینی جائز ہے؟ یا ختم قرآن یا تعلیم قرآن پہ اُجرت کیسی ہے اگر چاہیں تو دیکھ لیں مگر یہ آیت اس پر بات نہیں کرتی بلکہ یہ فتویٰ فروشوں کو متنبہ کرتی ہے جو روپے لے کر یا اقتدار قائم رکھنے کو یا کسی بھی دنیاوی لالچ میں آ کر غلط فتوے دے دیتے ہیں کہ یہ براہِ راست احکام باری کی توہین و تذلیل ہے کہ علمائے یہود ایسا ہی کرتے تھے۔ حالانکہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ برحق نبی ہیں مگر آپ ﷺ کے خلاف فتویٰ دیتے تھے لہٰذا فرمایا کہ اگر تم ایماندار ہو جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو پھر صرف مجھ سے ڈرو، اقتدار دنیا کے جانے سے لرزاں و ترساں کیوں ہو؟

میرا حسینؓ سدا کربلا میں رہتا ہے

محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے اور ذوالحج آخری۔ محرم الحرام سے ذوالحج تک سارے سال کا جائزہ لیا جائے تو تاریخ اسلام بے شمار قربانیوں کی آئینہ دار ہے جو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے نشانِ منزل کی حیثیت رکھتی ہیں کہ کیسے اتباعِ رسالت کے لیے جانوں کے نذرانے پیش کر کے قربِ الٰہی کی منازل حاصل ہو سکتی ہیں!

تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کس محنت، محبت اور کس درد سے اسلام کی عمارت تعمیر فرمائی۔ مکی زندگی کے مصائب کو دیکھتے ہوئے مدنی زندگی کی مشکلات کا مطالعہ کریں تو خلافتِ اسلامیہ کی ترتیب کا محور مدنی زندگی دکھائی دیتی ہے۔ آپ ﷺ کے وہ خدام کہ جن کی خدمتگاری پر خود قرآنِ کریم گواہ ہے، کس عجز و انکساری اور خندہ پیشانی سے آپ ﷺ کے احکاماتِ مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے غزوات و سرایہ سے گزرتے ہوئے اسلامی عمارت کی تعمیر میں سرگرمِ عمل رہے۔

مدینہ منورہ کی اس چھوٹی سی ریاست سے مملکتِ اسلامیہ معلوم دُنیا کے تین حصوں تک پہنچی، لیکن جونہی اس خلافتِ اسلامیہ کی بنیاد رکھی گئی تو ساتھ ہی مشرکین و منافقین اور یہود کی سازشیں ظاہر و پوشیدہ طور پر شروع ہو گئیں، اس کے ثبوت میں دو عناصر مثال کے طور پر بیان کیے جا سکتے ہیں۔

ایک یہود کی اسلام مخالف سازشوں کا اس حد تک بڑھنا کہ انہیں ان کے قلعوں سے نکال باہر کرنا۔

دوسرا خطۂ عرب اور ملکِ فارس کی تہذیبوں کا آپس میں تاریخی تقابل کا ہونا۔

جب فتوحاتِ اسلامیہ کے سامنے تہذیب فارس اس قابل نہ رہی کہ میدانِ کارزار میں مجاہدینِ اسلام کا سامنا کر سکے تو اس کا بھی یہی انداز اختیار کرنا کہ مختلف سازشی عوامل کے ذریعے جہاں تک ہو سکے نبی اکرم ﷺ، آپ ﷺ کے خدامؓ اور خانوادۂ رسولؐ سے اپنے تہذیب و تمدن کے اُجڑنے اور دینِ حق یعنی اسلام کے پھیلنے کا بدلہ لیا جائے۔

کوفہ وہ مقام ہے کہ جہاں پہ یہ دونوں سازشی عوامل ظاہری طور پر اکٹھے ہو گئے۔ اب جبکہ میدانِ کارزار میں مدِ مقابل نہیں ہو سکتے تھے تو ان کے لیے بہتر طریقہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ دینِ اسلام کا لبادہ اُوڑھ کر نبی اکرم ﷺ کے خلاف برسرِ پیکار رہیں۔

یکم محرم الحرام جہاں اسلامی سال کا پہلا دن ہے وہیں خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یوم شہادت بھی ہے اور اس عظیم شہادت کے محرکات کے سلسلے میں تاریخ کے اوراق اسی کوفہ کی طرف نشاندہی کرتے ہیں۔ پھر علی الترتیب حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کی کڑیاں بھی انہیں عوامل کی طرف نشاندہی کرتی ہیں۔

اب دیکھیں کہ انسان جب انسانیت کی بلندی سے گرتا ہے تو ظلمتوں کی حدود کو کہاں تک پار کرتا چلا جاتا ہے کہ واقعۂ کربلا میں وہ خون بہایا گیا جو نبی اکرم ﷺ کے مبارک خون کا حصہ تھا۔ یوں تو خون حرام ہے لیکن یہ وہ خون تھا کہ جس کے پینے والے صحابی رسولؐ کو نبی کریم ﷺ نے یہاں تک ارشاد فرما دیا کہ اب تم پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔ یہ خون اُس ذات سے وابستہ تھا جسے اللہ رب العزت نے مجسم رحمت پیدا فرمایا، خالق اور مخلوق میں رحمتِ باری تعالیٰ کے پہنچنے کا واحد ذریعہ بنائی اور جس ذات پر اپنی جان، والدین، اولاد تک کو قربان کر دینے کا جذبہ نہ ہو تو انسان مقصدِ تخلیق کو نہیں پا سکتا اور وہ ایمان جو کہ شرط ہے قربِ الٰہی کا، حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ ذات! کہ جس ذات کی شفاعت کے بغیر روزِ محشر کوئی رحمتِ باری کو نہیں پا سکتا۔

چاہیے تو یہ تھا کہ اس ذات کی خاطر جان، مال، آبرو، والدین، اولاد جو کچھ ہو قربان کر دیا جاتا مگر جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جب انسان، انسانیت کی سطح سے گرتا ہے تو پھر وہ ظلمتوں کی حدوں کو پار کر جاتا ہے اور یہ واقعۂ کربلا کہ جس کی تاریخ دس محرم الحرام حرفِ عام میں ہے، خواہ اس کی تاریخ سے کُلی طور پر اتفاق نہ بھی ہو، اس واقعہ کی صداقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

یزیدیت کیا تھی؟ کہ وہ شخص جس نے خلافتِ اسلامیہ میں پہلی بار اقتدار، فوج، طاقت، حکومت اپنی سمجھ لی تھی۔ اس کے اس انداز پر خانوادۂ رسولؐ نے اتفاق کرنے کی بجائے اُس خون کو کہ جس کی حرمت میں پہلے بیان کر آیا ہوں، کربلا کی خاک میں ملانا بہتر سمجھا اور اگر مثال کے طور پر یہ گمان کیا جائے کہ روزِ محشر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ یہ سوال کرتے ہیں کہ آپؓ نے میرا خون اس طرح سے خاکِ کربلا میں کیوں ملا دیا؟ تو لامحالہ یہ جواب ذہن میں آتا ہے کہ ''اے نانا ایک طرف آپ کا بتایا ہوا حق کا راستہ تھا اور دوسری طرف یہ خون۔ میں نے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق اس خون کو خاک میں ملا دینا بہتر سمجھا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر روزِ قیامت تک دو ہی اندازِ فکر ہمیشہ انسانیت کے سامنے رہیں گے۔ ایک یزیدیت کا اور دوسرا حسینیت کا۔ آج ہمیں بھی ان ہی دو نظریات میں سے کسی ایک نظریہ پر قائم ہونا ہے۔ ایک طرف نبی کریم ﷺ کی راہنمائی ہے اور دوسری طرف اس کے مقابل حزب الشیاطین کا رستہ ہے۔

تو کیا یہ کافی ہوگا کہ ہم محرم الحرام کے چند ایام میں رواجی طور پر ان واقعات کو یاد کر لیں، کچھ دیگیں پکائیں، محافل منعقد کریں؟ یا اپنی ذات کو سوچ سے عمل تک اتباع محمد رسول اللہ ﷺ کے تابع کریں، چاہے اس کے لیے ہمیں واقعۂ کربلا جیسی عظیم قربانی کی سُنت کو تازہ کرنا پڑے؟

اس واقعہ کا اگر بغور مطالعہ کریں اور آج کے حالات کو دیکھیں تو یہ بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ جو اسلام مخالف قوتیں تب تھیں وہی آج بھی شد و مد سے نبی کریم ﷺ کی ذات کے خلاف برسرِ پیکار ہیں مگر ضرورت اس دعا کی ہے کہ:

ہے لشکرِ کُوفی تو آمادۂ پیکار   دے ہم کو خدایا تُو حسین ابن علیؓ دے

(سیماب اویسی)

(آمین)

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

- گردِ سفر
- متاعِ فقیر
- آس جزیرہ
- کون سی ایسی بات ہوئی ہے
- نشانِ منزل
- سوچ سمندر
- دیدہ تر

اپنی شاعری کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

"مگر حق یہ ہے کہ یہ سب محض میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں، ان کا معیار کیا ہے، بلکہ یوں کہیے یہ اشعار ہیں یا نہیں، اس کی مجھے خبر نہیں اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے جتنا بھی سیکھا سب کچھ اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔ اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرم کا فیضانِ نظر ہے اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ کرے جو میں چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ آ سکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا"۔

فیضانِ نظر، متاعِ فقیر

حسینؓ و یزید

ڈھل گیا سنت کے سانچے میں حسینؓ
ہے خلافِ سنتِ سرورؐ یزید

جان دے کر حق کو روشن کر گیا
بڑھ گئی اس سمت تاریکی مزید

ہے نمونہ خلقِ نبویؐ کا حسینؓ
جس سے محرومی کا ہے مظہر یزید

جان و مال و خاندان قرباں حسینؓ
دارِ دُنیا کی طلب کا در یزید

کٹ گیا سر، جھک نہ پایا، یہ حسینؓ
جھک گیا باطل کے جو در پر، یزید

آج بھی حق کی علامت ہے حسینؓ
آج بھی ہے ظلم کا مظہر یزید

خود کو دیکھو کون سی صف میں ہو تم
جس کا قائد ابنِ حیدرؓ یا یزید

"حمد و نعت" سے اقتباس

اَقوالِ شیخ

1۔ قلبی کیفیات حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اللہ کے لیے حج اور عمرہ کرو۔

2۔ طاقت اور زور سے انصاف کبھی قائم نہیں ہو سکتا، انصاف ہمیشہ عدل سے قائم ہوتا ہے۔

3۔ حج کے لیے بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے یعنی اللہ کی اطاعت کا جذبہ۔

4۔ اسلام نے جنگ کے بجائے جہاد کا تصور دیا کہ جب زمین پر فساد پھیلے تو جو لوگ فساد پھیلا رہے ہیں ان کو فساد سے روکا جائے۔ یہ جہاد ہے۔

5۔ متقی وہ ہے جسے یہ احساس، اللہ سے یہ نسبت نصیب ہو جائے کہ وہ اپنے ہر کام میں مرضیاتِ باری کو تلاش کرے اور اس کے مطابق عمل کرے۔

6۔ کوئی شخص اپنی شہرت کے لیے دولت لٹاتا ہے تو یہ اسراف ہے۔ جہاں شریعت حکم دے وہاں خرچ کرتا ہے تو یہ انفاق ہے اور جہاں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ خرچ کرنے کا حکم دیں وہاں روکنا بخل ہے۔

7۔ معیتِ باری ایسی نعمت ہے کہ جسے دنیا میں نصیب ہو جائے اسے موت بھی شکست نہیں دے سکتی۔

8۔ اگر کوئی کمزوری دکھاتا ہے تو وہ بھی شریعت کے خلاف کر رہا ہے اور جو شدت دکھاتا ہے وہ بھی شریعت کی حدود سے نکل رہا ہے۔

9۔ دُنیا میں انسان اپنے اختیار سے جو فیصلے کرتا ہے، حشر میں ان ہی فیصلوں کو سرِ عام سنایا جائے گا۔

10۔ تصوف کا حاصل فنائے ذات ہے جو علوم ظاہریہ کی ضد ہے۔

11۔ صرف اپنے آپ کو سامنے رکھو، اپنی عدالت لگاؤ اور اس میں خود کو مجرم کے کٹہرے میں کھڑا کر کے اپنا محاسبہ کرو۔

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہوجائے۔

ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہوجائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقۂ ذکر

پہلا لطیفہ۔ مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسمِ ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔

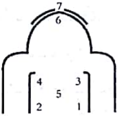

دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسمِ ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسمِ ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔ دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور سر پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

چھٹا لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسمِ ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسمِ ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہوجاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسمِ ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

7 ستمبر 2014

روح کی غذا اور ذکر اللہ کی اہمیت

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ لَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (سورۃ: العنکبوت:45)

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ۔

دارِ دنیا میں اللہ کریم نے ہر بندے کو بہت سے رشتے اور بہت سی جہتیں دی ہیں۔ یہ سارے تعلقات زندگی میں آسانیاں پیدا کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ رشتے ناتے، دوستیاں یہ اس لیے ہوتے ہیں کہ زندگی میں آسانیاں پیدا کریں یا کوئی مشکل آئے تو اس میں کام آئیں لیکن کیا کھانا پینا، سونا جاگنا، بچے پالنا، سنبھالنا یہی انسانی زندگی ہے؟ یہ زندگی تو ہر جانور کو حاصل ہے۔ ہر جانور غذا بھی حاصل کرتا ہے، بچے بھی پالتا ہے، گھر بھی بناتا ہے، چڑیا بھی گھونسلہ بنالیتی ہے، جنگل کا جانور بھی کوئی کھوہ بنالیتا ہے، بچے پالتا ہے، مرجاتا ہے۔ یہ معیار انسانی زندگی کا نہیں ہے۔ انسان اللہ کریم کا شاہکار ہے، اعلیٰ ترین مخلوق ہے۔ روئے زمین پہ اللہ نے جتنی مخلوق پیدا کی ہے یا جتنی اجناس یا پھل پیدا کیے ہیں، سب انسان کی خدمت کے لیے ہیں۔ فرمایا، خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرہ: 29) روئے زمین پر جو کچھ ہے وہ تمہاری خاطر پیدا کیا ہے، ساری مخلوق کو انسان ضروریات کے لیے استعمال میں لاتا ہے تو انسان کس لیے ہے؟ فرمایا، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذریٰت :56)۔

انسان اور جنات مکلف ہیں معرفتِ الٰہی کے اور معرفت کا راستہ اطاعت ہے، عبادت ہے۔ جب انسان کی بات آتی ہے تو علمائے حق فرماتے ہیں کہ اصل انسان روح ہے۔ بدن روح کی سواری ہے، روح کا آلہ ہے جس سے وہ دنیا کے کام کرتا ہے۔ ہم بھی روز یہ دیکھتے ہیں کہ جب روح قبض ہوجاتی ہے تو ہر کوئی اُسے میت اور مردہ کہتا ہے، کوئی رشتہ اس سے نہیں جوڑتا۔ جس کا والد مرجائے وہ بھی اُس والد کو میت کہتا ہے، کسی کا بیٹا مرجائے تو وہ بھی اُسے میت کہتا ہے، نہ کوئی اسے والد کہتا ہے نہ بیٹا کہتا ہے نہ بھائی کہتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ روح کے بغیر وجود کے رشتے بھی ختم ہوجاتے ہیں۔ اُس کی بیوی بیوہ ہوجاتی ہے۔ اولاد یتیم ہوجاتی ہے، مال دوسروں کا ہوجاتا ہے، وارثوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ جب روح کی اتنی اہمیت ہے تو بدن جو محض ایک سواری ہے، کام کرنے کا آلہ ہے، اُس کے لیے اللہ کریم نے بے پناہ نعمتیں بنائی ہیں۔ غذائیں، دوائیں، لباس، کوئی اللہ کی نعمتوں کو شمار نہیں کرسکتا ہے۔ غذائیں نہیں گنی جاسکتیں، پھلوں کی اقسام اتنی بنادیں، دوائیں کتنی بنا دیں۔ لباس کتنے بنادیے کہ ہر شخص ایک سے بڑھ کر ایک زیب تن کرتا ہے۔

اگر جسم کے لیے اتنا اہتمام ہے جو محض ایک آلہ اور سواری ہے تو روح جو اصل انسان ہے اس کے لیے تو اُس سے زیادہ ہونا چاہیے اور

اللہ کریم نے اس کے لیے بے پناہ، بے حد و بے حساب زیادہ اہتمام فرمایا ہے۔ اس کی بنیاد رکھی ہے فرمایا، اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ...... ملک میں اگر کوئی قانون بنتا ہے اور ملک کے سربراہ کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے کہ یہ ضابطہ ہے، اس کی پابندی کیجیے تو اس کا مطلب ہے کہ ملک میں کوئی دوسرا اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اسی طرح آقائے نامدار رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ آپ ﷺ تلاوت کیا کیجیے، پڑھا کیجیے کتاب میں سے جو آپ ﷺ پر وحی کی گئی۔ روح کی بنیادی غذا تلاوتِ قرآن ہے کیونکہ خطاب نبی ﷺ کو ہے اور آپ ﷺ ہمیشہ تلاوت فرماتے تھے تو تلاوت کرنا سنت ٹھہرا۔ اگر براہِ راست اُمت کو خطاب ہوتا تو یہ فرض ہو جاتا لیکن اُس کی عظمت اتنی ہے کہ تلاوت کرنا سنت ہے، اگر تلاوت ہو رہی ہو تو خاموشی اور ادب سے سننا فرض ہے۔ یہ وحی الٰہی ہے مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ جو آپ ﷺ پر وحی کیا گیا۔ وحی الٰہی، اللہ کا ذاتی کلام ہے۔

نبی ﷺ کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ قرآن کو پڑھا کرو، سمجھ آتی ہے یا نہیں ہر صورت پڑھا کرو۔ یعنی اگر معنی و مفاہیم جانتے ہو تو بھی پڑھا کرو اور اگر نہیں جانتے تو بھی پڑھو۔ اس کا مطلب ہے کہ تلاوتِ قرآن، بجائے خود روح کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ سمجھ آتی ہو، معنی آتے ہوں تو نورٌ علیٰ نور ہے اس پر عمل کی توفیق بھی مل جائے تو اللہ کریم کا احسانِ عظیم ہے۔ سمجھ نہیں بھی آتی تو پڑھا کرو کہ کلام الٰہی ہے، اس کا اثر روح کی غذا بنتا ہے۔ جس کو معنی نہیں آتے اس کی روح کو بھی غذا پہنچتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ (العنکبوت: 25) تلاوت کرنے والا بندہ عبادات پر کاربند ہو جاتا ہے، اس کے الفاظ اور اس کے اثرات، اس کے ساتھ جو کیفیات آتی ہیں وہ روح کو تقویت دیتی ہیں۔

ہر انسان جو بات کہتا ہے کہ اس میں اچھائی ہوتی ہے یا برائی۔ اگر کہنے والے میں نیکی اور بھلائی ہو تو اُس کی بات میں کیفیات ہوتی ہیں، روشنی ہوتی ہے۔ اس کی باتوں سے دل پہ بشاشت آتی ہے اور اگر بدکار ہو، بے دین تو اس کی باتوں سے روح پر بشاشت نہیں آتی۔ دوسرے بدکاروں کا نفس خوش ہوتا ہے اور بڑی عجیب بات ہے لوگ اُسی پر راضی ہوتے ہیں جیسے گانے بجانے کو کہہ دیا گیا کہ روح کی غذا ہے حالانکہ یہ روح کے لیے موت ہے۔ جس چیز کو نبی ﷺ نے حرام فرما دیا وہ روح کی غذا کیسے ہو سکتی ہے تو پھر لوگ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ اس لیے کہ لوگوں کو روح اور نفس میں تمیز نہیں رہی۔ جب وہ ڈھول باجے، گانا بجانا، مزامیر وغیرہ سنتے ہیں تو ان کا نفس خوش ہوتا ہے اور اِسی نفسِ امارہ کو وہ روح سمجھے ہوئے ہیں۔ گانا، روح کے لیے زہر ہے، نفس امارہ کے لیے خوشی کا سبب ہے۔ ہر آواز میں ایک کیفیت ہوتی ہے۔ اس کا انحصار اس پر ہے کہ وہ کس سینے سے نکل رہی ہے، کون بات کر رہا ہے؟ کچھ لوگ بات کرتے ہیں تو ان میں ایسے انوارات ہوتے ہیں کہ سننے والوں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگ بات کرتے ہیں تو وہ لوگوں کے جذبات کو اُبھارتے ہیں اور نتیجتاً فساد پیدا ہوتا ہے۔ دنیا میں اس کی بہت مثالیں ملتی ہیں۔ جتنی تاریخی تبدیلیوں کو آپ انقلاب کہتے ہیں جیسے انقلابِ فرانس ہے، چین میں انقلاب آیا، ماؤ نے انقلاب پیدا کر دیا، ہٹلر نے انقلاب پیدا کر دیا، یہ سارے کیا ہیں؟ ان پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ ان لیڈروں نے باتوں سے آگ لگا دی، انسانی جذبات کو اُبھار دیا، نفسِ امارہ کو اُبھارا۔ جب وہ جوش ختم ہو گیا تو اب ماؤ کو چین میں گالیاں پڑتی ہیں، ہٹلر کا کوئی جرمنی میں نام نہیں لیتا، لوگ نفرت کرتے ہیں۔ جذبات تھے، جذبات کو اُبھارا، لوگ ساتھ کھڑے ہو گئے جب اُن کے نتائج سامنے آئے تو لوگ متنفر ہو گئے۔ حقیقی انقلاب، آقائے نامدار ﷺ نے برپا کیا تو دیکھ لیجیے جنہوں نے آپ ﷺ کے ارشاداتِ عالی سنے، انہوں نے قربانیوں کی مثال قائم کر دی۔ اُن کے جذبات نہیں اُبھرے، اُن کی ارواح میں تازگی آئی، جذبات ابھارنا ہوتے تو مکہ مکرمہ میں فسادات شروع ہو جاتے۔ روح میں تازگی آئی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر ستم سہنا ہے، آپ کو ہاتھ نہیں اُٹھانا ہے، اُف نہیں کرنی ہے، تیرہ (13) برس، کون سا ظلم ہے جو آپ ﷺ کی

ذات والا صفات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء پر نہیں توڑا گیا لیکن سب نے وہ ظلم سہے۔ جذبات بھڑکا کر لڑا دینا اور بات ہے، حقائق سے روشناس کر کے قوت برداشت پیدا کرنا یہ اور بات ہے۔ دوسرے انقلابی لیڈروں نے جذبات بھڑکائے اور لوگوں کو لڑا دیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارواح کو زندہ فرمایا، ان میں تازگی پیدا کی اور کفر کو برداشت کیا۔ دلوں میں انسانیت کے لیے محبت پیدا کی اور برائی سے نفرت پیدا کی۔ یوں اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔

آج دینی کام بھی کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کی پاسداری نہیں کرتے۔ کہا جاتا ہے آج ختم قرآن رکھ دو، دس بندے بلا لو اُن سے قرآن پڑھوا لو۔ ٹھیک ہے، اگر شرعی آداب کے ساتھ ہو تو اچھی بات ہے، نہ پڑھنے سے تو بہتر ہے، لیکن اس کے ساتھ جو قرآن کے آداب ہیں وہ ضروری ہیں۔ ہمارے ہاں ایک رواج ہے شبینہ کرانے کا، لاؤڈ سپیکر لگا دیئے جاتے ہیں اور میلوں تک سنائی دیتا ہے، یہ حرام ہے۔ اس لیے کہ جہاں تک قرآن کی آواز جا رہی ہے وہاں تک خاموشی سے سننا فرض ہے۔ اگر آپ ساری رات تلاوت کرتے رہتے ہیں اور آواز میلوں تک جاتی ہے وہ ساری مخلوق وہ ساری آبادیاں کس طرح ساری رات سنیں؟ وہ باتیں بھی کریں گے، کام بھی کریں گے، رفع حاجت کے لیے بھی جائیں گے تو اس سارے کا گناہ اُس بندے کو ہوگا جو شبینہ کروا رہا ہے، جو انہیں غیر ضروری طور پر اُس کا مکلف بنا رہا ہے۔ ہاں، سپیکر عمارت کے اندر ہوں، اچھی بات ہے کہ آپ باوضو ہوں، سب سے اعلیٰ بات یہ ہے کہ آپ ساری رات نوافل پڑھیں اور امام قرآن سنائے۔ سب سے اعلیٰ طریقہ قرآن سننے کا یہ ہے کہ آپ نوافل میں سنیں۔ اتنی ہمت نہیں ہے اور گھر میں شبینہ کرانا ہے یا مسجد میں کرانا ہے تو آواز اندر تک محدود رہے تاکہ جس میں جتنی ہمت ہے بیٹھ کر سنتا رہے۔ باوضو سنے بہت اچھی بات ہے، وضو نہیں ہے تو بھی ادب سے بیٹھ کر سن تو سکتا ہے۔ جتنی دیر بیٹھ سکتا ہے، سنے۔ جب قوتِ برداشت جواب دے جائے تو چلا جائے۔ تلاوت سننا اچھی بات ہے لیکن جو فائدہ خود تلاوت کرنے سے ہوگا اُس سے نہیں ہوگا۔ ثواب یقیناً ہوگا، وقتی ہوگا، لحاتی ہوگا۔ ایک بندے کو آپ گیارہ مہینے بھوکا رکھیں اور بارہویں مہینے میں اسے سیر ہو کر کھانا کھلائیں تو کیا وہ زندہ رہے گا؟ یہ تو روح کی غذا ہے، اُسے صبح شام نہیں تو دن میں ایک مرتبہ تو دیں۔ بدن کو آپ دن میں پانچ مرتبہ کھلاتے ہیں۔ چار مرتبہ تو ہر کوئی کھاتا ہے کہ جی صبح کی چائے ناشتہ ہے، دوپہر کا کھانا ہے پھر شام کی چائے ہے، پھر رات کا کھانا ہے۔ زندہ دل لوگ تو جاگ کر کھانا شروع کرتے ہیں سونے تک کچھ نہ کچھ کھاتے ہی رہتے ہیں اور اب تو ایسا رواج آ گیا ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ لیڈر تقریریں کر رہے ہوں، اسمبلی میں ہوں یا کنٹینروں کی چھتوں پر، دائیں بائیں جو کھڑے ہیں وہ جگالی کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسی گوند نما چیزیں آ گئی ہیں جو منہ میں ڈال لیتے ہیں اور چباتے رہتے ہیں اور جگالی کرتے رہتے ہیں۔ آپ نے بھی دیکھا ہوگا آج کل تو یہ عام ہے۔

اگر بدن کو اتنا کھانے کی ضرورت ہے تو روح جو اصل انسان ہے اس کی غذا کا کیا اہتمام ہے؟ تو گویا تلاوتِ قرآن اس کی بنیادی غذا ہے۔ قرآن کریم کو ریشمی غلافوں میں لپیٹ کے نہ رکھا جائے اس کی روز تلاوت کی جائے، سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ سمجھ آئے تو نورٌ علیٰ نور ہے توفیق عمل نصیب ہوتی ہے لیکن محض پڑھنے سے جسے معنی سمجھ نہ آئیں اُسے بھی توفیق عمل نصیب ہو جاتی ہے۔ اُس کے ساتھ اس طرح کے انوارات اور کیفیات ہوتی ہیں۔

آج کی سائنس کہتی ہے انسان کے وجود میں دس کھرب سیل ہیں یعنی دس کھرب ذرات سے جڑ کر ایک انسان بنتا ہے۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ کسی کا قد بڑا ہے تو اس کے سیل بڑے ہوں گے، قد چھوٹا ہے تو سیل چھوٹے ہوں گے لیکن ہر انسانی بدن میں دس کھرب کی آبادی ہے۔ دنیا میں انسانی آبادی چھ ارب ہے۔ سو ارب کا ایک کھرب بنتا ہے اور ایک انسان کے اندر یہ آبادی دس کھرب ہے ہر سیل میں حیات ہے اور انسان کے اندر اتنی موتیں ہوتی ہیں کہ ان دس کھرب سیل میں

سے چھ مہینے سے زیادہ کوئی نہیں جیتا، چھ مہینے میں سب سیلز (cells) مر جاتے ہیں۔اپنے جیسا دوسرا پیدا کر کے خود مر جاتے ہیں یعنی صرف چھ مہینے میں وجود کے اندر دس کھرب موتیں ہوتی ہیں۔کوئی ایسی خوردبین، کوئی ایسی عینک، کوئی ایسا آلہ ہو جس سے بندہ دیکھ سکے تو وہ سمجھ سکے گا کہ میرے اندر تو ہر لحہ قیامت بپا ہے۔موت ہی موت اور پیدائش ہی پیدائش ہے، ایک تماشا لگا ہوا ہے۔

دل ایسا آلہ ہے کہ ہر دھڑکن سے ہر سیل تک خون پہنچاتا ہے۔دل جب دھڑکتا ہے تو دس کھرب سیلوں کو خون جاتا ہے جب ایک قاری یا تلاوت کرنے والا تلاوت کرتا ہے تو کلامِ باری کے انوارات دل میں آتے ہیں اور خون کے ساتھ پمپ ہو کر ایک ایک سیل تک جاتے ہیں۔جب ان سیلوں تک یہ پیغام پہنچتا ہے تو یہ انہیں صاف (Purify) کرتا ہے۔ان میں جو نحوستیں یا برائی کا کوئی شائبہ یا کوئی تاریکی ہے تو وہ دھل جاتی ہے اور فرمایا، نتیجہ یہ ہوتا ہے وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ (اور نماز قائم کرو) یعنی تلاوت کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے وہ اُسے عبادتِ الٰہی کی طرف رغبت ہو جاتی ہے۔یوں تو ہر وہ کام جو اللہ کے حکم کے مطابق کیا جائے وہ عبادت ہے۔نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ بندہ مومن رزق حلال کما کر جب اولاد کو، بیوی بچوں کو کھلاتا ہے تو وہ بھی اس کا صدقہ اور عبادت شمار ہوتی ہے تو عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ تو اُس کی ذمہ داری ہے تو فرمایا، جو اللہ کی طرف سے ذمہ داری آئے اس کو پورا کرنا ہی تو عبادت ہے۔اللہ کی اطاعت کا نام ہی تو عبادت ہے اگر وہ اس کی ذمہ داری ہے اور وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو ثواب ملتا ہے، تو اطاعتِ الٰہی کی حدود کے اندر سونا بھی عبادت ہے، جاگنا بھی عبادت ہے، لڑنا بھی عبادت ہے، محبت کرنا بھی عبادت ہے۔جہاں لڑنے کا حکم ہے وہاں جان دینا عبادت ہے جہاں محبت و پیار کا، صلح کا ارشاد ہو، وہاں پیار و صلح عبادت ہے۔تو فرمایا، جب آپ تلاوت کرتے ہیں وہ اثرات بدن کے ذرات (Body cells) میں جاتے ہیں انہی سیلز سے دل بھی بنا ہے، دماغ بھی بنا ہے، سارا وجود انہیں سیلوں، انہیں ذرات سے بنا ہے تو انسان کی رغبت عباداتِ الٰہی کی طرف ہو جاتی ہے پھر بندہ عبادت کو چھوڑ نہیں سکتا۔اور عبادات کا حاصل کیا ہے؟ راتوں کو اُٹھ کر تہجد پڑھو، نماز پنجگانہ ادا کرو، ساتھ سنت، نوافل، تسبیحات، اللہ اللہ، اس سارے کا حاصل کیا ہے؟ فرمایا، اس سارے کے اثرات سیلوں کو متاثر کرتے ہیں، وجود میں سرایت کرتے ہیں تو فرمایا، اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ..... یقیناً عباداتِ الٰہی بے حیائی اور برائی سے روکتی ہیں۔اللہ کی نافرمانی کڑوی لگنے لگتی ہے، گناہ سے نفرت ہو جاتی ہے۔اور اگر کسی کو گناہ سے رغبت ہے اور دن بھر گناہ میں رہنا چاہتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا پچھلا سارا نظام تباہ ہو چکا ہے۔کہیں روشنی نہیں ہے، ایک ایک سیل میں تاریکی آگئی ہے اور یہ جو ظلمت اور تاریکی ہے یہ جہنم کی آگ چاہتی ہے۔جہنم کی آگ بھڑک کر شعلہ بنتی ہے، سرخ شعلے ہوتے ہیں پھر وہ زرد ہو جاتے ہیں پھر وہ اتنے تپتے ہیں کہ سیاہ ہو جاتے ہیں۔تو یہ کردار کی سیاہی جو ایک ایک سیل میں ہوتی ہے وہ جہنم کے اُس شعلے کی سیاہی کو چاہتی ہے اور وہ وقت آرہا ہے جب یہ چیزیں سامنے آجائیں گی۔ فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ (ق:22) تمہاری نظر سے حجابات اُٹھا دیئے گئے آج تمہاری نگاہ فولاد کی طرح مضبوط ہوگئی ہے اور تم اب دیکھ سکتے ہو۔لیکن اُس وقت ان لوگوں کے دیکھنے کا کیا فائدہ جنہوں نے وقت ضائع کر دیا۔ہر سیل میں تاریکی جمع کر دی اب وہ دیکھیں گے تو کیا، جہنم کے شعلے دیکھیں گے تو کیا فائدہ۔ خوش نصیب ہیں وہ جن کے وجود کا ہر ذرہ روشن ہوگا اور روشنی اللہ کے نور کی ہوگی۔وہ اللہ کی رحمت کو، بخشش کو چاہے گا تو انہیں دیکھنے کا مزہ آئے گا۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ ..... یقیناً اِنَّ تاکید کے لیے ہے کہ یقیناً عباداتِ الٰہی بے حیائی اور برائی سے روکتی ہیں۔برائی اور بے حیائی کیا ہے؟ علمائے حق نے اس کے معنی کی بہت سادہ سی تعیین فرمائی ہے کہ کوئی ایسا کام جس کو کرنے سے لوگوں کے سامنے جھجک آئے، کوئی ایسا کام جو

تمہیں لوگوں کو بتاتے ہو جھجک آتی ہو وہ برائی اور بے حیائی ہے۔ جو کام چھپ کر کرنا چاہتے ہو، جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر کرنا چاہتے ہو وہ برائی ہے یا بے حیائی ہے۔

بتوفیق الٰہی اگر کوئی بہترین، اچھا، صحت مند کھانا کھاتا ہے، صاف ستھرا پانی پیتا ہے تو اس کی صحت بنتی ہے، لیکن اگر کوئی ٹیبل پر خالی پلیٹیں رکھ کر چمچ چلا رہا ہو کہ میں کھانا کھا رہا ہوں، کھانے کی ایکٹنگ (Acting) کر رہا ہو تو وہ کیا زندہ رہ سکتا ہے؟ اگر عبادات خلوص کے ساتھ رضائے الٰہی کے لیے ہوں تو روح کی غذا بنتی ہیں۔ اگر دکھاوا ہو لوگوں سے پارسائی کی سند لینی ہو تو وہ روح کی غذا نہیں بنتی وہ ایکٹنگ (Acting) ہوتی ہے حقیقی غذا نہیں ہوتی۔ ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، جھوٹ بھی بولتے ہیں، ناپ تول میں بھی خرابی کرتے ہیں اور بے شمار برائیاں کرتے ہیں کیوں؟ اس لیے کہ ہماری عبادت، عبادت نہیں اداکاری ہے۔ عبادت جب تک عبادت نہیں بنے گی نتائج نہیں آئیں گے اور اگر یہ ضروری نہ ہوتا تو قرآن کریم کیوں بتاتا؟ قرآن کریم مستند ترین کتابِ حیات ہے اسی لیے بتا رہا ہے کہ زندہ ہو، تمہارے پاس فرصت ہے، مہلت ہے۔ دوست وہی ہے جو نیکی پر آپ کے ساتھ تعاون کرے، عبادات پہ آپ کے ساتھ تعاون کرے۔ جو نیکی سے روکنے والا ہے وہ دشمن ہے۔ ہمارے برصغیر میں پیری مریدی عام ہے، دنیا بھر میں ہے لیکن باہر اتنی شدت سے نہیں ہے جتنی برصغیر میں ہے۔ ہر بندہ کسی نہ کسی کا مرید ہے۔ پیری مریدی سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ حاصل یہ ہے کہ جس شخص سے آپ بیعت ہوتے ہیں وہ اُن حقائق سے آشنا ہو اور ان پر عمل پیرا ہو اور اس تعلق سے آپ کو بھی ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق ہو۔ اولاد دینا پیروں کا کام نہیں ہے۔ پیر خود بھی لاولد مر جاتے ہیں، دوسرے کو اولاد کیا دیں گے۔ ایک بہت مشہور پیر تھے ان کے مرید مجھے امریکہ تک ملتے تھے، پاکستان میں بھی تھے، بے چارے لاولد مر گئے۔ اُس کا اپنا کام ہے کسی کو بیٹے دیتا ہے، کسی کو بیٹیاں دیتا ہے اور کسی کو کچھ بھی نہیں دیتا۔ اس کی مرضی، اس کا کام ہے۔ روزی کم زیادہ دینا، صحت و بیماری دینا یہ اللہ پاک کے کام ہیں پیروں کے نہیں۔ پیر خود بیمار ہوتے ہیں تو دوسروں کو صحت کہاں سے دیں گے۔ جو بندہ خود بیمار ہو جاتا ہے وہ دوسرے کی صحت کی ضمانت کیسے دے سکتا ہے؟ یہ اللہ کے کام ہیں۔

پیری مریدی ایک رشتہ ہے جو ایسے بندے سے جوڑا جائے جو خود صراطِ مستقیم پر ہو اور ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے میں مدد دے۔ نیکی اور بدی میں تمیز سکھائے، تربیت کرے، نیکی پر عمل کرنے کی توفیق ہو لیکن یہاں تو یہ ہے کہ پیر صاحب کو فیس دے دی تو پھر پیر جانے اور اس کا کام جانے پھر قیامت کو دیکھا جائے گا۔ قیامت کو کیا دیکھا جائے گا، سب کچھ قرآن نے یہاں بتا دیا، نبی ﷺ نے یہاں بتا دیا، قیامت کو کوئی ایسا کام نہیں ہوگا جو نیا ہوگا، سب کچھ قرآن میں موجود ہے، حدیثِ پاک میں ارشاد ہے۔ یہاں تاکیداً فرمایا گیا ہے کہ صلوٰۃ یقیناً برائیوں اور بے حیائیوں سے بچا لیتی ہے۔ یاد رہے کہ صلوٰۃ و صوم عبادت ہے تو معاملات دنیا میں اطاعتِ الٰہی بھی عبادت ہے۔ عبادت کی دو قسمیں ہیں۔ اعمال و کردار الگ ہے، عبادات الگ ہیں۔ عبادات کا حاصل یہ ہے کہ کردار کی اصلاح ہو جائے، جیسا کہ ارشا فرمایا گیا اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ فرمایا: وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ..... اور اللہ کا ذکر (یاد) سب سے بڑا ہے۔ یہاں اللہ کریم نے سب عبادات کا ذکر فرمایا۔ نورِ ایمان، تلاوتِ کتاب، عبادات اور اس کے ساتھ کردار کی اصلاح۔ مقصدِ حیات تو پورا ہو گیا لیکن نہیں۔ فرمایا، اگر اللہ کا ذکر نصیب ہو جائے تو یہ تو بہت بڑی بات ہے، وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ..... یہ تو پھر انتہا ہو گئی۔ پھر اس سے آگے کہ کسی کو اللہ کا ذکر نصیب ہو جائے تو کوئی مقام ہی نہیں لیکن یاد رکھیں کہ اگر عبادت اور تلاوت کردار کی اصلاح کر سکتے ہیں تو اللہ کا ذکر تو بہت بڑا ہے، اس سے کردار کی بہت بڑی اصلاح ہوگی۔

ہم ذکر کرتے رہتے ہیں ہمارے مزاج میں کوئی فرق نہیں پڑتا، کردار میں فرق نہیں پڑتا۔ یہ عجیب بات ہے، ایسا کیوں ہوتا ہے؟

ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ ہم حقیقی طور پر ذکر نہیں کرتے، نقل کرتے رہتے ہیں اور نہ کرنے سے وہ نقل بھی بہتر ہے۔ نہ کرنے سے وہ اداکاری بھی بہتر ہے کچھ نہ کچھ فائدہ دے ہی جاتی ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی شرح ہے ''مرقاۃ'' انہوں نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ **من تشبہ بقوم فھو منھم** او کما قال رسول اللہ ﷺ کہ جو جس قوم کی مشابہت کرے گا قیامت کو اسی میں اس کا شمار ہوگا تو اس کے تحت انہوں نے لکھا ہے کہ فرعون کے دربار میں ایک مسخرا تھا اُس نے موسیٰ علیہ السلام جیسا حلیہ بنایا ہوتا تھا، لاٹھی پکڑی ہوئی، کمبل کا کرتہ، داڑھی اُسی طرح، بال اُسی طرح رکھے ہوئے اور توتلی توتلی باتیں کر کے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی اس طرح کی باتیں کر کے فرعون کو ہنساتا تھا مسخرا تھا، موسیٰ علیہ السلام کی نقلیں اُتارتا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام پار اُترے اور فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا تو آپؑ نے دیکھا کہ وہ کنارے پر کھڑا تھا۔ سارا لشکر تو غرق ہو گیا، فرعون غرق ہو گیا، وہ کنارے پر کھڑا تھا تو آپؑ نے عرض کی، بارالٰہا، یہ تو مجھے بہت پریشان کرتا تھا، اسے آپ نے بچا لیا ہے وہ کنارے پر کھڑا ہے۔ ارشاد ہوا، اس نے آپؑ کی نقل بنا رکھی ہے۔ غیرتِ الٰہی نے یہ گوارا نہیں کیا کہ فرعون کے ساتھ نقلی موسیٰ کو بھی غرق کر دیں۔ نقل ہی سہی مگر ہے تو آپؑ کی ہی۔ اسے الگ سزا ملے گی۔

میرے خیال میں اگر ہم تلاوت بھی کرتے ہیں، عبادات بھی کرتے ہیں پھر ذکر بھی کرتے ہیں اور پھر بھی ہماری اصلاح نہیں ہوتی تو اس سے آگے پھر کوئی دوا، کوئی علاج نہیں ہے۔ یہ بات ہم نے دوسروں کے بارے نہیں سوچنا، ہر ایک نے اپنے بارے سوچنا ہے۔ میں اپنا تجزیہ کروں، آپ اپنا تجزیہ کریں اور اللہ کرے کہ ہمیں سمجھ آ جائے کہ کہاں کمی ہے اور ہم اللہ کی مدد سے وہ کمی پوری کرنے کی کوشش کریں۔ مثبت تبدیلی آئے، بہتر تبدیلی آئے۔ کردار کا اثر اتنا ہوتا ہے کہ جب قوموں کے کردار سدھرتے ہیں، افراد کے کردار سدھرتے ہیں تو قومیں سدھر جاتی ہیں اور انہیں دُنیا میں عروج نصیب ہوتا ہے۔ اور بندہ مومن کو جو دنیا میں نصیب ہوتا ہے اس سے کروڑوں گنا زیادہ آخرت میں نصیب ہوگا۔ نظامِ الٰہی بڑا مضبوط، بڑا ٹھوس ہے اس میں کہیں کوئی کمی، کوئی کمزوری نہیں ہے۔ اللہ کریم نے ہر عمل کے دو نتیجے مقرر فرمائے ہیں، ایک اس دُنیا میں، ایک آخرت میں۔ اُخروی نتیجہ حاصل کرنے کے لیے ایمان ضروری ہے۔ ایمان نہیں ہے تو نہ اللہ پر اعتماد ہے نہ اللہ کے حبیب ﷺ پر نہ اللہ کی کتاب پر نہ آخرت پر۔ جب آخرت پر ایمان ہی نہیں ہے تو وہ آخرت لے کے کرے گا کیا؟ جس طرح اچھی غذا کھانے سے، ٹھنڈا پانی پلانے سے کافر کی صحت بھی درست رہتی ہے، مومن کی بھی درست رہتی ہے۔ مومن کو آخرت میں بھی اس کی جزا ملے گی جبکہ کافر سزا کا مستحق ہوگا کہ تو نے نعمتیں تو میری کھائیں اور عبادت دوسروں کی کرتا رہا تو آخرت کے نتائج بھگتے گا لیکن اگر دنیا میں کافر بھی اس شعار کو اختیار کرے گا تو دنیا کی کامیابی اسے بھی نصیب ہوگی۔

ہماری قوم کو من حیث القوم بڑا مغالطہ ہے کہ دنیا کی کافر اقوام آگے نکل گئی ہیں اور ہم کلمہ گو پیچھے رہ گئے ہیں۔ اگر تاریخ پر نظر کریں تو جب صحرائے عرب میں یہی کلمۂ اسلام روشن ہو رہا تھا، تو اُس وقت یہ اقوام کہاں تھیں؟ امریکہ وغیرہ ان ممالک کو The wild wild west کہتے تھے، وحشی وحشی مغرب۔ دو دفعہ wild wild لگاتے تھے۔ یورپین اقوام گھر بنانا نہیں جانتی تھیں، اس وقت ان کو من حیث القوم The cave men، غاروں میں رہنے والے کہا جاتا تھا۔ اگر آپ اس عہد پر بنائی گئی ان کی فلمیں بھی دیکھیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ وہ لکڑیاں جوڑ کر اوپر گھاس پھوس ڈال کر جھونپڑی سی بنا کر رہتے تھے۔ انہیں مکان بنانا نہیں آتا تھا۔ ان کی تہذیب، ان کا لباس دیکھیں، ان کی حرکات دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے۔ افریقی اقوام کو شکار کر کے کھاتے تھے۔ ہندوستان میں بتوں کے آگے ذبح کیا جاتا تھا۔ عورتوں کو مردوں کے ساتھ زندہ جلایا جاتا تھا۔ چین اور وسط ایشیائی اقوام پر طاقتور کمزور کو لوٹ لیتا تھا اور لوٹنا اپنا حق سمجھتا تھا اور مال بھی لوٹتے تھے، گھر جلا دیتے، عورتیں اور بچیاں اغواء کر کے لے جاتے تھے۔ یہ دنیا کی تہذیب تھی۔

جب اسلام نے ریاستِ مدینہ قائم کی اور ترقی کی تو تیئیس (23) برسوں میں اسلام نے پورے جزیرہ نمائے عرب کو باغ و بہار بنا دیا اور اسلامی ریاست میں لے لیا۔ وصال نبوی ﷺ کے بعد خلافتِ راشدہ کے تیئیس (23) برسوں میں تین چوتھائی روئے زمین پر اسلام پھیل چکا تھا۔ تو ان قوموں نے اسلام قبول نہیں کیا لیکن انہوں نے تجزیہ کیا کہ مسلمان ریاست چند نفوس سے شروع ہوئی اور اتنی وسیع دنیا پر چھا گئی۔ اس کا سبب کیا ہے؟ کیوں لوگوں نے اسے دوڑ کر قبول کیا؟ کیوں لوگ مسلمان ہوتے گئے اور ملکوں کے ملک مسلمان ہوتے گئے؟ وہ اسباب تلاش کیے تو پتا چلا وہ سچ بولتے ہیں، لین دین میں دیانتداری کرتے ہیں، عدالتوں میں انصاف کرتے ہیں، رشوت نہیں ہوتی، کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوتی، یہ چیزیں جو کردار کی صلاحیت کی تھیں، ان قوموں نے منتخب کر لیں اور اپنا لیں اور اس وحشت اور بربریت سے نکل کر وہ مہذب اقوام کی فہرست میں آ گئیں۔ اللہ کے قانون کے مطابق دنیا کا اجر تو انہیں ملنا تھا، رہا یہ سوال کہ ہم کیوں ذلیل ہیں؟ تو وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہماری اچھائیاں اپنائیں ہم نے اُن کی برائیاں اپنا لیں، جو برائی وہ کرتے تھے ہم نے وہ اپنا لی۔

ویسے تو وہاں بھی ساری خیر نہیں ہے۔ آپ کو دور سے چمک نظر آتی ہے، اس معاشرے میں کوئی کسی کا باپ ہے نہ بیٹا ہے، ماں ہے نہ بیٹی ہے، بہن ہے نہ بھائی ہے، سارے اکیلے اکیلے ہی ہیں۔ شراب پیتے ہیں، بھائی بہنوں سے برائی کرتے ہیں اور باپ بیٹیوں سے۔ یہ واقعات ہیں اس معاشرے کے، یہ حقیقت ہے۔ سود کھاتے ہیں تو اس معاشرے میں بھی غریب، غریب تر ہوتا جاتا ہے۔ نیویارک کی سڑکوں پر بھی لوگ کوڑے کے ڈھیروں سے خوراک تلاش کرتے پھرتے ہیں اور لندن میں بھی بے شمار لوگ پلوں کے نیچے سوتے ہیں۔ سونے کی جگہ نہیں ہے۔ امیر، امیر تر ہوتا جاتا ہے اور غریب، غریب تر ہوتا جاتا ہے۔

وہ قومیں سوچ رہی ہیں کہ سود کو چھوڑ کر اسلام کا نظامِ زکوٰۃ اپنایا جائے۔ جاپان میں بلاسودی بنک شروع کر دیئے گئے ہیں۔ برطانیہ میں بلاسودی بنکوں کی ابتدا ہوگئی ہے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کہ سود ہمیں تباہ کر رہا ہے تو سود کی بجائے اسلام کا بلاسودی نظام اپنایا جائے۔ اور فنڈ دینے کے لیے زکوٰۃ کی طرح رقم مقرر کی جائے، جو ہر بندہ دے سکے یعنی اپنے نظامِ معیشت سے وہ تنگ آ کر یہاں بھی اسلام کے دامن میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ اور ہمارے ہاں دین سے فرار ہی فرار ہے۔ ہم ان جیسا بننا چاہتے ہیں اور اس طرح کہ ان میں جو برائیاں ہیں وہ اپنا لیں تو ہماری حالت اس لیے خراب ہے کہ ہم نے غیروں کی برائیاں اپنا لیں۔ وہ قومیں اس طرح ترقی کر گئیں کہ انہوں نے ہماری اچھائیاں لے لیں۔ عجیب بات ہے انہوں نے ہم سے اچھائیاں لیں، ہم اُن سے برائیاں لے رہے ہیں۔ تو فرمایا: وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ..... اللہ کا ذکر تو بہت بڑا ہے۔ اِک لطیفۂ قلب نصیب ہو جائے اور قلب ذاکر ہو جائے تو ایک ایک سیل میں جو خون جاتا ہے اس میں نور ہوتا ہے پھر اگر سارے لطائف روشن ہو جائیں، سلطان الاذکار نصیب ہو جائے تو ہر سیل بجائے خود روشن ہو جاتا ہے۔ دل ایک بار دھڑکتا ہے اور وجود سے دس کھرب بار اللہ کا نام نکلتا ہے۔ ہر سیل ذاکر ہو جاتا ہے۔ ایک لمحے میں انسانی وجود، دس کھرب بار اللہ کہتا ہے۔ آگے اللہ لے جائے تو اس کی رحمت بے کراں ہے۔ اس کی رحمت لامحدود ہے۔ لیکن میرے بھائی ان چیزوں کو بطور رواج نہیں بطور حقیقت اور تجزیہ کر کے نتائج دیکھنے چاہییں کہ میں واقعی عمل کر رہا ہوں یا اداکاری کر رہا ہوں۔ اداکاری ہے تو کردار پر اثر نہیں ہوگا۔ حقیقی عمل ہے تو کردار روشن ہو جائے گا، بدل جائے گا اور یہ ساری محنت کس لیے ہے؟ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (45) جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے اسے دیکھ رہا ہے، اُس پر حاضر ہے، ہر چیز اُس کے سامنے ہے۔ اس لیے اداکاری نہیں خلوص سے عمل کرو، اللہ توفیقِ عمل دے۔ اللہ شعور بھی دے کہ ہم باریکیوں کو سمجھیں۔ اللہ کریم ہماری ان حقیر کوششوں کو قبول فرمائے۔ ہمیں نیکی پر زندہ رکھے، نیک لوگوں کے ساتھ موت نصیب فرمائے اور نیک لوگوں کے ساتھ حشر فرمائے۔ (آمین)

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرام اعوان مدظلہ العالی کا بیان

سورۃ بنی اسرائیل و سورۃ کہف

مقبولین میں قدرت مستقلہ نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾

(بنی اسرائیل:93)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ سبحان اللہ میں بجز اس کے کہ آدمی ہوں پیغمبر ہوں اور کیا ہوں۔

"اس میں تصریح ہے کہ مقبولین کو یہ قدرت نہیں کہ جو ان سے درخواست کی جاوے وہ اس کو پورا کر دیں۔"

فرمایا بندہ، بندہ ہی ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ میں یہ صفت نہیں ہوتی کہ آپ جو کچھ کہیں وہ ہاتھ اٹھائیں اور وہی ہو جائے، بندے میں دعا کی برکت اپنی جگہ لیکن یہ توقع رکھنا کہ یہ ہر چیز پہ قادر ہیں یہ درست نہیں۔

شیخ و مرید میں مناسبت کا شرط نفع ہونا:

قولہ تعالیٰ: قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ (بنی اسرائیل:95)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے ہوتے کہ اس میں چلتے بستے تو البتہ ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔

"وجہ اس حکم کی معلم و متعلم میں مناسبت کا شرط ہونا ہے اور اس شرط کی رعایت قوم میں معروف ہے۔"

فرمایا، مشرکین نے اعتراض کیا کہ کوئی فرشتہ ہوتا تو رسول ﷺ نے فرمایا، اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو نبی بھی فرشتے کو بنایا جاتا۔ تو جب زمین پر انسان ہیں تو نبی بھی انسان ہو گا تو فرماتے ہیں اس میں دلیل ہے کہ شیخ اور شاگرد میں کوئی نسبت ہونی چاہیے، مناسبت ہونی چاہیے، مزاج ایک جیسا ہونا چاہیے یا شیخ کے مزاج کو سمجھ کر ویسا عمل کرنا چاہیے اس لیے کہ ایک مناسبت ہو گی تو برکات نصیب ہوں گی۔ مولانا رومی نے ایک بڑا اچھا واقعہ منظوم کیا ہے کہ ایک خاتون حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے پاس آئی کہ میرا بچہ چھت پر چڑھ گیا ہے اور ایک طرف سے پانی کے لیے پرنالہ سا بنا ہوا ہے وہاں دیوار میں جگہ ہے جو فصیل ہے جب ہم اوپر جاتے ہیں اسے پکڑنے کے لیے تو وہ سوراخ میں جا گھستا ہے اور ہم ڈرتے ہوئے نیچے اتر آتے ہیں کہ کہیں تھوڑا سا آگے گیا تو نیچے گر جائے گا تو اس کا کیا کریں؟ انہوں نے فرمایا اس کا ہم عمر ایک بچہ چھت پر چھوڑ دو۔ جب انہوں نے اس کی عمر کا ایک بچہ چھت پر بٹھا دیا تو وہ ادھر سے بھاگ کر اس بچے کے پاس آ گیا انہوں نے اٹھا لیا۔ آگے وہ فرماتے ہیں اس لیے نبیؐ بھی اللہ انسانوں میں سے بھیجتا ہے کہ ہر ایک کو اپنے جیسوں سے نسبت ہوتی ہے، انس ہوتا ہے۔ جب ماں باپ اوپر جاتے تھے تو وہ بھاگتا تھا۔ جب اپنی عمر کا بچہ دیکھا تو اس کے پاس آ گیا۔ اسی لیے نبیؐ بھی بشر ہوتے ہیں تاکہ باقی بشریت بھی ان سے استفادہ کرے اور جو لوگ بشریت کا انکار کرتے ہیں وہ بے چارے سادہ ہوتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں ہم بشر ہیں اس لیے نبیؐ بشر نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں سوچتے کہ ہم شاید بشر ہیں بھی کہ نہیں۔ بشر ہونا تو نبی کا خاصہ ہے۔ خیر البشر محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ان جیسا تو کوئی دوسرا بشر نہیں لیکن ہر بندے میں اتنی بشریت ہے جتنا اس میں محمد رسول ﷺ کا اتباع ہے اور اگر کوئی آپ پر ایمان ہی نہیں رکھتا تو وہ جانور ہے، درندہ ہے، بشر نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: اولئك كالانعام......

انقطاعِ عذاب کا رد:

قولہ تعالیٰ: كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿ بنی اسرائیل:97)

ترجمہ: وہ جب ذرا دھیمی ہونے لگے گی تب ہی ہم ان کے لیے اور بھڑکا دیں گے۔

''اس میں اس قول کا ردّ ہے جو بعض کی طرف منسوب ہے کہ مدت طویلہ کے بعد عذاب نار منقطع ہو جاوے گا۔''

ہاں! فرمایا یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کچھ عرصے کے بعد دوزخ کا عذاب ختم کر دیا جائے گا۔ فرمایا اس آیت میں اس بات کا ردّ ہے کہ جب وہ دھیمی ہونے لگے گی ہم اور بھڑکا دیں گے۔ یہ کون ہیں جو کہتے ہیں دوزخ ختم ہو جائے گی۔

علوم نافعہ کے کتمان کا مذموم ہونا:

قولہ تعالیٰ: قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ (بنی اسرائیل:100)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مختار ہوتے تو اس صورت میں تم خرچ کرنے کے اندیشہ سے ضرور ہاتھ روک لیتے۔

''اس میں اشارہ ہے اس شخص کی مذمت کی طرف جو طریق کو طالبین سے چھپاتے ہیں اور وہ طریق کی حقیقت ان چند ملفوضات کو سمجھتے ہیں جو اپنے مشائخ سے سن لیے ہیں۔ ان کو خدا جانے کیا خزائن و دفائن سمجھتے ہیں البتہ علم کشفیہ جزو طریق نہیں ان کو ظاہر نہ کرنا چاہیے۔''

فرمایا جو صوفی خود تو صاحب نسبت ہوتے ہیں لیکن کسی دوسرے کو نہیں بتاتے اور چھپاتے ہیں ان کا ردّ کیا گیا ہے کہ اللہ کی رحمت کو بانٹنا چاہیے، چھپانا نہیں چاہیے، یہ کسی کی ذاتی جاگیر نہیں ہے کہ چھپا کر بیٹھا رہے، ہر مومن کا حصہ ہے اور وہی لوگ بھلے ہیں جو اس نعمت کو تقسیم کرتے ہیں اور جو ساری عمر چھپائے رکھتے ہیں اور خود لے کر چلے جاتے ہیں وہ زیادتی کرتے ہیں یہ ان کی ذاتی جاگیر نہیں تھی اللہ کا انعام تھا اور سب مومنین کے لیے تھا۔

جواب بالمثل خلاف اخلاق نہیں:

قولہ تعالیٰ: وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿ (بنی اسرائیل:102)

ترجمہ: اور میرے خیال میں ضرور تیری کمبختی کے دن آ گئے ہیں۔

''اس میں دلالت ہے کہ جواب ترکی بہ ترکی دینا جب کہ تسامح و رعایت میں کوئی مصلحت نہ ہو کرم اور کمال اخلاق کے منافی نہیں''

فرمایا باطل کے مقابلے میں ڈٹ کر جواب دینا یہ اخلاق کے منافی نہیں ہے جیسا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو کہا کہ تیری باتوں سے لگتا ہے کہ تیری بدبختی کے دن آ گئے ہیں اور تو بات سمجھ نہیں رہا۔

خوفِ حق سے رونے کی فضیلت:

قولہ تعالیٰ: وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ (بنی اسرائیل:109)

ترجمہ: اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے۔

''اس میں خشیتِ حق سے رونے کی فضیلت ہے''

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی خشیت میں اور اس کی رضا مندی کے حصول اور اس کی ناراضگی سے ڈر کر رونے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

الحمدللہ پندرہ سپارے مکمل ہو گئے اللہ پاک انہیں جزائے خیر دے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ یہ بہت پُرلطف ہے اور صوفی کے لیے بہت ضروری ہے۔ انہوں نے سارے مسائلِ تصوف قرآنی آیات سے جمع کر کے بیان فرمائے بہت بڑا کام کیا ہے۔ تو صوفیوں اور راہ سلوک کے مسافروں کی اس میں بڑی رہنمائی ہے۔

سورۃ الکہف

عبدیت افضل المقامات ہے:

قولہ تعالیٰ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (الکہف:1)

ترجمہ: تمام خوبیاں اس اللہ کے لیے ثابت ہیں جس نے اپنے بندہ پر یہ کتاب نازل فرمائی۔

''اس میں دلالت ہے اس پر کہ مقام عبدیت کے مشابہ کوئی مقام نہیں

اور حضور ﷺ اس کے اعلیٰ مراتب میں ہیں۔

قربِ الٰہی کے، وصول الی اللہ کے جتنے مراتب اور مراقبات ہیں ان میں سے سب سے آخری دائرہ، دائرہ عبدیت ہے۔ نو عرشوں کے بعد جب عالمِ امر شروع ہوتا ہے تو اس میں پہلے پندرہ سولہ دائرے ولایت اولیاء ہیں جیسے صبر، تسلیم، رضا وغیرہ ذالک کم وبیش یہ پندرہ سولہ دوائر ہوں گے جو ولایت اولیاء کے ہیں اور یہ معمولی بات نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ عرشِ عظیم کے سامنے نیچے کی کائنات ایسی ہے جیسے صحرا میں ایک انگوٹھی یا انگشتری پڑی ہو۔ یعنی زمین، سیارے، ستارے، آسمان، عرشِ عظیم کے سامنے ان کی حیثیت ایسے رہ جاتی ہے جیسے کسی بڑے صحرا میں انگشتری پڑی ہو۔ پھر عرش کے نو حصے ہیں۔

آں کہ آمد نہہ فلک معراج او
انبیاء و اولیاء محتاج او

ان میں وہ وسعت ہے کہ جو نہ الفاظ میں بیان کی جاسکتی ہے اور نہ عقل اس کو سمجھ سکتی ہے، انہیں کا منصب ہے جنہیں اللہ عطا فرمائے۔ جہاں آخری عرش کی حدود ختم ہوتی ہیں وہاں عالمِ خلق ختم ہو جاتا ہے۔ ساری مخلوق کو عرشِ عظیم محیط ہے۔ اس سے آگے عالمِ امر ہے۔ عالم امر کا ہر دائرہ عرشِ عظیم سمیت نیچے ہر شئے کو محیط ہوتا ہے۔ تو پھر اندازہ کیجئے کہ وہ کتنا وسیع ہے۔ اس سے اوپر والا اس سے وسیع تر ہے تو عالمِ امر کے یہ پندرہ سولہ دائرے ولایت اولیاء ہے جو ولی کو نصیب ہو سکتے ہیں جسے رب چاہے۔ حضرتؒ سے ساتھی سوال پوچھتے تھے پھر حضرتؒ مشاہدات کرا دیتے تھے۔ ساتھی بھی اچھے تھے، زمانہ بھی اچھا تھا، اب تو کسی کو مشاہدہ کرا دو تو آگے وہ دکان کھول کر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے تمہارا فلاں جانور گم ہو گیا ہے فلاں جگہ سے ملے گا، تمہارے بیٹے کو نوکری وہاں سے ملے گی۔ اس لیے میں نے وہ باب بند کر دیا ہے۔ لوگوں میں استعداد نہیں رہی لوگ جواہرات دے کر دال روٹی خریدتے ہیں یا سستی شہرت خریدتے ہیں اس لیے تو حضرتؒ نے اس میں بڑی تحقیق فرمائی مجھے صحیح تعداد یاد نہیں ہے لیکن برصغیر میں برصغیر فتح ہونے سے پہلے اسلام یہاں آچکا تھا فتح تو بعد میں ہوا تو تقریباً ابتدائے اسلام سے، اسلام برصغیر میں کسی نہ کسی طرح داخل ہو چکا تھا۔ پندرہویں صدی جا رہی ہے چلو پندرہویں صدی کے ابتدائی دن نکال دیں پھر بھی چودہ سو سال تو برصغیر میں اسلام کو ہو گئے۔ چودہ صدیوں میں چودہ پندرہ سے زیادہ نام نہیں ملتے جن حضرات نے برصغیر میں سے عالمِ امر میں قدم رکھا۔ حضرتؒ نے ایک ایک نام نامی انگلیوں پر گن کر بتایا تھا بلکہ میرے پاس وہ اکثر نام لکھے ہوئے محفوظ بھی ہیں۔ میرے خیال میں ایک نوٹ بک میں حضرتؒ کے ہاتھ مبارک سے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ اور وہ جو چودہ، پندرہ نام ہیں وہ بھی عالمِ امر کے ابتدائی دو چار دوائر کے ہیں ان میں ان کا وصال ہوا ہے تو یوں عالمِ امر میں کتنے اولوالعزم لوگ، کتنے عظیم مجاہدے کرنے والے، کتنے پاک باز اور کتنے نیک لوگ پہنچے جبکہ زمانہ پاک باز تھا، حکومت اسلام کی، مسلمانوں کی تھی، قانون اسلامی تھے، شرعی تھے تو اتنے پاکیزہ معاشرے میں چودہ صدیوں میں بس چودہ یا پندرہ لوگ ہی وہاں تک پہنچ سکے آج کے معاشرے میں تو ایمان پر قائم رہنا ہی بڑا مشکل ہے۔ عالمِ امر تک رسائی تو وہ بہت دور کی بات ہے۔ بہر حال جب ولایت اولیا کے دوائر شروع ہوتے ہیں تو اس سے آگے کے جو دوائر ہیں وہ ہیں ولایت انبیاء۔ نبی تخلیقی طور پر نبیؑ ہوتا ہے۔ لیکن مبعوث ہونے سے پہلے قربِ الٰہی کی جو کیفیت نبیؑ کو حاصل ہوتی ہے اسے ولایتِ انبیاء کہتے ہیں۔ یہ خوب سمجھ لیجئے کہ نبیؑ مبعوث ہوتا ہے تو نبوت کا اعلان فرماتا ہے۔ اس سے پہلے نبوت کا اعلان نہیں فرماتا لیکن وصولِ حق نبیؑ کو اعلان نبوت سے پہلے بھی نصیب ہوتا ہے۔ نبیؑ تخلیقی طور پر معصوم عن الخطا ہوتا ہے، اوصافِ نبوت اس میں موجود ہوتے ہیں، ان اوصافِ نبوت کا اظہار نہیں ہوتا جب تک نبیؑ کی بعثت نہیں ہوتی۔ ان کو ولایتِ نبوت کہتے ہیں، وہ نبیؑ کی ولایت ہے۔ تو تقریباً یہ ولایت اولیاء اور ولایتِ انبیاء ملائی جائے تو دائرۂ عبدیت جو ہے یہ کم وبیش اس وقت میں صحیح گن تو نہیں سکتا لیکن پچاس کے لگ بھگ دوائر بنتے ہیں جس میں پندرہ سولہ ولایتِ اولیاء کے ہیں اس سے آگے سارے ولایتِ انبیاء

کے ہیں اور ہر دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کی وسعتوں کی پیائش ممکن نہیں اللہ ہی بہتر جانے یا پھر جن لوگوں نے طے کئے ہیں وہ شیخ کی توجہ سے ان سے نکل گئے وہ الگ بات ہے از خود بندہ چلتا رہے اور اسے ہزاروں زندگیاں بھی ملیں تو قدم قدم چل کر پورا نہیں کر سکتا۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آخری دائرہ جو ہے سب سے آخر دائرہ عبدیت ہے کہ جہاں ولایت ختم ہو جاتی ہے اور یہ بہت دور کی بات ہے پھر یہ دائرے وسیع تر ہوتے ہیں چونکہ دائرہ عبدیت میں بھی اتنے عجیب مقامات ہیں کہ انبیاء کے مقامات ومنازل ان کی شان کے مطابق بلند وبالا ہیں۔ ہر ایک نبیؑ کی اپنی شان ہے، ہر ایک کو مقام عبدیت نصیب ہے لیکن عبدیت میں بھی ہر ایک کا اپنا مقام ہے اپنی شان کے مطابق اور ولایتِ انبیاء میں کسی ولی کا داخلہ اس طرح ممکن نہیں کہ اس کی وہاں ذاتی حیثیت ہو۔ ولایتِ انبیاء اولیاء اللہ کو نصیب ہوتی ہے، اس میں اللہ انہیں لے جاتے ہیں لیکن اس طرح جس طرح شاہی محل میں بادشاہ کے خادم جاتے ہیں۔ ولایتِ انبیاء میں ولی کی روح اگر پہنچتی ہے اسے وہ مراقبہ نصیب ہوتا ہے تو اس کی حیثیت یہ ہوتی ہے جیسے شاہی محل میں بادشاہ کے ساتھ ہزاروں خادم بھی جاتے ہیں، محل کے اندر ہوتے ہیں، محل ہی کے قالینوں پر چلتے ہیں، محل ہی میں رات گزارتے ہیں، محل ہی کے دستر خوان سے کھاتے ہیں، لیکن کیا وہ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ یہ میرا محل ہے۔ یہی حیثیت ولایتِ انبیاء میں داخل ہونے والے اولیاء کی ہوتی ہے، باتباع نبی کریم ﷺ انہیں یہاں رسائی نصیب ہوتی ہے لیکن بہت شاذ، جہاں تک مجھے اللہ نے علم دیا ہے اور جہاں تک مطالعہ ہے اور جہاں تک میں نے پڑھا لکھا، دیکھا سنا ہے پہلا اور آخری نام میرے علم کے مطابق دائرہ عبدیت میں حضرتؒ کا ہے۔ ان باتوں پہ بڑی تنقید ہوتی ہے۔ لوگ بڑے ناراض ہوتے ہیں۔ کچھ ایک بات تو یہ ہے کہ ہر آدمی کو اپنے شیخ، اپنے پیر سے بڑی عقیدت ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے میرے پیر کے منازل سب سے بلند ہونے چاہییں کسی دوسرے کا نام کیوں آئے۔ دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ آپ کی بڑی عقیدت ہے اور آپ اپنی عقیدت سے ایسا کہہ دیتے ہیں لیکن یہ باتیں صحیح نہیں ہیں۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اپنے اللہ کے دیئے ہوئے علم کے مطابق جو حقیقت ہے میں وہ بیان کر رہا ہوں۔ میں نے تبع تابعین کے بعد کسی ولی کا نام، کسی ولی کی ذات کو وہاں پہنچتے ہوئے نہیں دیکھا اور اس کی ظاہر دلیل بڑی واضح اور سامنے ہے کہ بڑی بڑی ہستیاں گزریں اور انہوں نے زمانے کو ہلا کر رکھ دیا انقلابات برپا کر دیئے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، برصغیر میں معین الدین اجمیریؒ، علی ہجویریؒ المعروف داتا صاحب ایسے لوگ تھے جنہوں نے اپنے زمانے میں انقلاب برپا کر دیئے اور لاکھوں غیر مسلموں کو ایمان نصیب ہوا اور ہزاروں مسلمانوں کو اللہ اللہ نصیب ہوئی اور تاریخ تصوف ایسے ناموں سے بھری پڑی ہے۔

لیکن جس انداز اور جس حیثیت سے دیکھیں لاکھوں لوگوں کو مشرف بہ اسلام فرمایا لیکن ان ہستیوں نے ذکرِ قلبی صرف گنتی کے چند لوگوں کو بتایا باقی سب کو تسبیحات بتائیں، وظائف بتائے اور عقائد کی اصلاح کی۔ سو میں عرض کر رہا تھا کہ بیشک یہ بات درست ہے کہ ہر مرید کو ہر طالب کو اپنے شیخ سے عقیدت ہوتی ہے اس لیے کہ حصولِ فیض کا راستہ ہی ادب و عقیدت ہے۔ عقیدت نہیں ہوگی تو ملے گا کیا لیکن واضح ظاہری دلیل یہ ہے کہ بڑی بڑی ہستیوں نے بے شمار لاکھوں لوگوں کو انقلاب آشنا کیا اور کفر کی تاریکیوں سے نور اسلام میں لائے لیکن ذکر خفی قلبی یا مراقبات گنتی کے لوگوں کو کرائے۔ لاکھوں افراد میں سے چار پانچ اصحاب چنے۔ ساری تاریخ تصوف دیکھ لیں۔ اصلاح احوال کے لیے صاحب مجاز بنا دیے جاتے تھے جو بندہ عملاً نیک ہو گیا اور روزمرہ کے مسائل سمجھ سکتا ہے پورا عالم ہے یا نہیں اسے صاحب مجاز مقرر فرما دیتے تھے کہ دوسروں کی اصلاح کرتا رہے لیکن ذکر قلبی خفی اور منازل سلوک گنتی کے لوگوں کو بتائے گئے۔

حضور ﷺ کے زمانے میں جو آیا صحابیؓ بنا، صحابہؓ کے زمانے میں جسے مجلس نصیب ہوئی تابعی بنا، تابعی کی خدمت میں جسے تابعی کی صحبت نصیب ہوئی وہ تبع تابعی بنا۔ اس کے بعد اولیاء اللہ سے ذکر اور برکات و

کیفیاتِ قلبی پانے والے چند لوگ ہی ہوئے۔ چودہ صدیوں بعد حضرتؒ کا نام آتا ہے کہ جو بھی آیا اسے سلوک وتصوف نصیب ہوا۔

ہمارے دیہاتوں میں رواج ہے کہ مسجد میں وضو کرنے والوں کے لیے پانی کا اہتمام کیا جاتا ہے لوگ مسجد آ کر وضو کرتے ہیں تو ایک خادم رکھا جاتا ہے جو مسجد میں پانی بھر دیتا ہے۔ میرا تجربہ یہ تھا کہ وہ عموماً گاؤں کے غریب لوگوں کو رکھتے اور وہ عموماً بے نماز ہوتے تھے۔ پانی بھر جاتے تھے لیکن نماز نہیں پڑھتے تھے حضرتؒ کی مسجد کا خادم جو پانی بھرنے کی خدمت پر مامور تھا وہ بھی فنا فی الرسول تھا اور صاحب کشف ومشاہدہ تھا ہم لطائف کیا کرتے تھے تو اس سے بھی ہم بعض باتیں پوچھا کرتے تھے۔ یعنی جس ہستی سے اس قدر فیوض باطنی نصیب ہوئے ہیں اور اللہ کرے ہمیشہ ہوتے رہیں کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ایک شخص دور دراز ویرانوں میں ایک اجاڑ گاؤں میں زندگی بسر فرما کر دنیا سے پردہ فرما گیا، کوئی اخبار اس کا نام نہیں لکھتا، کسی ٹی وی پر اس کا کوئی پروگرام نہیں چلتا، کوئی میڈیا، کوئی ذریعۂ ابلاغ ان کی حکایت بیان نہیں کرتا لیکن روئے زمین پر Round the Clock کوئی ملک ایسا نہیں جہاں اس کے شاگرد اس سے مستفید ہونے والے شاگرد اللہ اللہ نہ کر رہے ہوں۔ اسلامی ممالک تو ایک طرف رہے تمام کافرانہ ممالک میں بھی لوگ اللہ اللہ کر رہے ہیں، ذکر کر رہے ہیں، مراقبات کر رہے ہیں۔ رات کا ذکر جب ہوتا ہے تو بین الاقوامی طور پر پوری دنیا کے گرد سے لوگ ذکر کرتے ہیں۔ تو یہ اتنی جو برکات جاری ہیں اس ذریعہ سے اس کا راستہ کوئی بہت بڑے پانی کے ذخیرے سے ہے تو یہاں تقسیم ہو رہا ہے۔ پیچھے کوئی اساس ہے، کوئی خزانہ ہے جو اس طرح لٹایا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرتؒ کے منازل دائرہ عبدیت تک پہنچے۔ آپؒ کا وصال دائرہ عبدیت میں ہوا ہے۔ دائرہ عبدیت کا نام لینا آسان سا ہے لیکن اس کی وسعتوں کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔

ولی کے منازل دائرہ عبدیت میں بھی ہوں تو شانِ ولایت کے مطابق ہوں گے اور نبیؑ کے منازل نبیؑ کی شان کے مطابق ہوں گے۔ ایک عام آدمی، آج کا مسلمان یا آج کے بعد آنے والا مسلمان جو بخشا جائے گا وہ بھی جنت میں جائے گا۔ وہ بھی جنتی ہوگا۔ علمائے حق بھی جنتی ہوں گے، اولیاء اللہ بھی جنتی ہوں گے پھر صحابہ کرام بھی جنتی ہوں گے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی جنت میں ہوں گے۔ جنتی کہا جائے تو سب جنتی ہوں گے لیکن جنت میں بھی سب کی حیثیت اپنی اپنی شان کے مطابق ہوگی۔ اسی طرح ان دوائر میں بھی، دوائر سلوک میں بھی جہاں تک ولایت اولیاء ہے تو وہاں تک تو کام ہی اولیاء کا ہے ولایت انبیاء اس سے آگے شروع ہوتی ہے تو ہر نبی کو جو وصول الی اللہ نبوت سے پہلے ہوتا ہے وہ بھی اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے ولی اس کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ ولایت انبیاء جہاں سے شروع ہوتی ہے وہ الگ ہے اور ولایت انبیاء میں ولی کا داخلہ ایسے ہوتا ہے جیسے شاہی محل میں شاہی خادم کا۔ بادشاہ اور خادم ایک جیسے نہیں ہو سکتے، یہ فاصلہ وہاں برقرار رہتا ہے، نبیؑ کی شان اپنی ہوتی ہے ولی کی اپنی پھر ہر ولی کا بھی ہر دائرہ میں اپنا مقام ہے اپنی حیثیت ہے اور اپنی شان ہے۔ ایک دائرے میں اگر دس ولی ہیں تو دس ایک جیسے نہیں ہیں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ بہر حال یہ ایک وسیع موضوع ہے میں نے جستہ جستہ مختصراً اس کی روئیداد عرض کر دی۔

اللہ نے فرمایا سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ تو سب سے بڑا کام جو تھا وہ تھا حضور ﷺ پر نزولِ کتاب اور معجزاتِ نبوی میں بہت عظیم اور زندہ معجزہ ہے قرآن کریم جو حضور ﷺ نے اللہ کریم سے وصول کیا اور مخلوق کو عطا فرمایا۔ یہ الگ بات کہ آج ہم مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود کہتے ہیں کہ یہ قابلِ عمل نہیں ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ انسان جس میں اکثریت جھوٹوں کی، اَن پڑھوں کی اور جعلی ڈگریوں والوں کی ہے۔ اور ایسوں کی ہے جن پر مقدمات چل رہے ہیں وہ ایک قانون بنائیں تو وہ قابلِ عمل ہے اور اللہ کا دیا ہوا قانون قابلِ عمل نہیں ہے۔

(بقیہ: صفحہ نمبر 28)

اکرم التفاسیر

سورۃ الکہف آیات 83 تا 101

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَالصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى
حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ
الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ
اور آپ سے ذوالقرنین کے بارے سوال کرتے ہیں فرمادیجیے کہ میں ان کا کسی قدر حال تم کو پڑھ کر
ذِكْرًا [83] اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ
سناتا ہوں۔ بیشک ہم نے ان کو زمین پر حکومت بخشی تھی اور ان کو ہر طرح کا سامان عطا فرمایا تھا۔ تو
شَيْءٍ سَبَبًا [84] فَاَتْبَعَ سَبَبًا [85] حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ
انہوں نے سفر کا سامان کیا۔ یہاں تک کہ جب سورج غروب ہونے کی جگہ (زمین کی مغربی حد) پر
مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِىْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ
پہنچے تو انہوں نے اس (آفتاب) کو ایک سیاہ رنگ کے پانی میں ڈوبتا ہوا پایا اور اس کے پاس ایک
عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّآ اَنْ
قوم دیکھی ہم نے فرمایا (الہام کرکے) اے ذوالقرنین! تم یا (ان کو) سزا دو اور یا ان کے بارے
تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا [86] قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ
نرمی کا رویہ اختیار کرو۔ انہوں نے کہا جو ظلم (دعوت سے انکار) کرے گا تو اسے ہم سزا دیں گے پھر وہ
نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا [87] وَ اَمَّا
اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ اسے برا عذاب دے گا۔ اور جو ایمان لے آیا اور نیک کام
مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ نِ الْحُسْنٰى وَ سَنَقُوْلُ لَهٗ
کیے تو اس کو (آخرت میں بھی) بدلے میں بھلائی ملے گی اور ہم اپنے معاملے میں بھی اس سے نرم
مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا [88] ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا [89] حَتّٰٓى
بات (مہربانی) کریں گے۔ پھر ایک اور سامان سفر کیا۔ یہاں تک کہ جب سورج کے طلوع ہونے
اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ
کے مقام پر پہنچے (زمین کے دوسرے سرے پر) تو اس (سورج) کو ایسے لوگوں پر طلوع ہوتے
لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا [90] كَذٰلِكَ وَ قَدْ اَحَطْنَا بِمَا
پایا جن کے لیے ہم نے اس (سورج) کی طرف سے کوئی اوٹ نہیں بنائی تھی۔ (حقیقت حال)
لَدَيْهِ خُبْرًا [91] ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا [92] حَتّٰٓى اِذَا
یوں (تھی) اور جو کچھ اس کے پاس تھا بے شک ہم کو سب کی خبر تھی۔ پھر ایک اور راہ پر ہو لیے۔
بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ
یہاں تک کہ جب وہ دو دیواروں (پہاڑوں) کے درمیان پہنچے تو دیکھا کہ ان کے اس طرف کچھ لوگ
يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا [93] قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَ
ہیں جو بات کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ لوگوں نے عرض کیا اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج اور ماجوج
مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى
زمین میں فساد کرتے رہتے ہیں سو کیا بھلا ہم آپ کے لیے خرچ کا اہتمام کر دیں کہ آپ ہمارے
اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ سَدًّا [94] قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ
اور ان کے درمیان دیوار کھینچ دیں؟ فرمایا خرچ کا جو مقدور اس سلسلے میں میرے رب نے مجھے بخشا
رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ
ہے بہت اچھا ہے سو تم مجھے قوت (بازو) سے مدد دو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ
رَدْمًا [95] اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ
بنا دوں گا۔ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ یہاں تک کہ جب انہوں نے دونوں پہاڑوں کے
الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِىْٓ
درمیان (کا حصہ) برابر کر دیا فرمایا (اب اسے) دھونکو یہاں تک کہ جب اس کو آگ (کی مانند) کر
اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا [96] فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَ مَا
دیا تو فرمایا میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ کہ میں اس پر ڈال دوں۔ پھر یہ اس پر چڑھ نہ سکیں گے
اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا [97] قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ فَاِذَا

پھر نہ اس میں نقب لگا سکیں گے۔ فرمایا یہ میرے پروردگار کی مہربانی ہے پس جب میرے پروردگار
جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿98﴾ وَ
کا وعدہ آ پہنچے گا تو وہ اس کو (گرا کر) ہموار کر دے گا اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے۔ اور اس روز ہم
تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ
ان کو چھوڑ دیں گے کہ ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہو جائیں اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو جمع کر
فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿99﴾ وَّ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ
لیں گے اور اس روز ہم جہنم کو کافروں کے سامنے لائیں گے۔
لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿100﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ
جن کی آنکھیں میری یاد میں پردے میں (بند) تھیں
عَنْ ذِكْرِيْ وَ كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿101﴾
اور وہ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ O مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ... یہ تین سوال جن کا کئی بار ذکر ہو چکا ہے اور مشرکین مکہ نے مدینہ کے علمائے یہود سے پوچھ کر حضور اکرم ﷺ پر کیے تھے، روح کے بارے، اصحاب کہف کے بارے اور ذوالقرنین کے بارے۔ دو سوالوں کا جواب گزر چکا یہ تیسرا ہے۔ ''قرن'' صدی کو بھی کہتے ہیں اور دو صدیوں میں جس کا اقتدار رہا ہو، شہرت رہی ہو، کسی بھی شعبہ میں ایسا معروف آدمی جس نے اُن دونوں صدیوں کو متاثر کیا ہو تو اُسے بھی ذوالقرنین کہا جا سکتا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ دو چوٹیاں سر پہ رکھا کرتے تھے اُس کے حوالے سے انہیں ذوالقرنین کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے کچھ اور چیزیں بھی لکھی ہیں۔ بہرحال زیادہ صحت کے قریب یہ لگتا ہے کہ کوئی ایسا شخص جو دو صدیوں میں ہوا ہو یعنی پہلی صدی اُس کی زندگی میں ختم ہو گئی، دوسری آ گئی تو دونوں صدیوں کو اُس نے متاثر کیا ہو۔ اتنا مشہور یا اتنا عظیم انسان ہو، اُسے ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ تو آپ ﷺ سے ذوالقرنین کے بارے سوال کرتے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ ان کا نام سکندر تھا اور اپنے اپنے زمانے میں سکندر نام کے کئی معروف اشخاص گزرے ہیں۔ سب سے آخر میں یہ مقدونیہ والا ہوا ہے جسے سکندر اعظم کہتے ہیں جس نے بہت سی فتوحات کیں لیکن یہ وہ سکندر نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ تو آتش پرست تھا، مشرک تھا اور ایک ظالم انسان تھا۔ یہ سکندر کوئی اور ہوئے ہیں اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ایک تھا۔ اللہ بہتر جاننے والا ہے۔ اُس زمانے میں ان کے بارے میں بہت حکایات مشہور تھیں اور مختلف قصے لوگوں نے گھڑے ہوئے تھے۔ کچھ صحیح تھے کچھ میں آمیزش ہو گئی، غلط ہو گئے لیکن بہت سی عجیب و غریب حکایات ان کے بارے زباں زدِ عام تھیں۔

فرمایا: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿83﴾ یہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے سوال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ فرما دیجیے۔ کہ میں اُن کا کسی قدر حال تم لوگوں کو پڑھ کر سنا دیتا ہوں یعنی وحی الٰہی میں قصے کہانیاں نہیں حقیقت ہوتی ہے اور جتنی ضروری ہے اُتنی اللہ کریم کی طرف سے تمہیں سنا دیتا ہوں۔ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ ...... رب جلیل نے فرمایا ہم نے انہیں زمین پر بہت طاقت بخشی تھی، حکومت بخشی تھی، اقتدار بخشا تھا۔

وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿84﴾ اور اُن کی حکومت نری حکومت نہیں تھی، بہت خوش حال حکومت تھی اور اُس کے پاس ہر قسم کے وسائل جمع ہو گئے تھے۔ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿85﴾ چنانچہ انہوں نے اپنے وسائل جمع کر کے ایک طرف سفر کرنا شروع کیا۔ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ..... حتیٰ کہ وہ مغرب کی طرف نکلے اور ملکوں پر ملک، شہروں پر شہر فتح کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ زمین کے مغربی سرے تک جا پہنچے جہاں آگے زمین نہیں تھی اور دیکھا کہ سورج پانی کے پیچھے ڈوب رہا ہے۔ یعنی سیاہ رنگ کے پانی میں سورج کو ڈوبتا ہوا پایا۔ آگے سمندر تھا اور اُس سے پرے غروب آفتاب کا منظر تھا، زمین نہیں تھی۔

کتنا سفر انہوں نے کیا، کتنی فتوحات انہوں نے کیں، اللہ نے اُن کے پاس وسائل جمع کر دیئے تھے، وہ زمین کے اگلے کنارے پر پہنچ گئے۔ وَجَدَ عِنۡدَهَا قَوۡمًا... تو وہاں ایک قوم کو پایا۔ قُلۡنَا يٰذَا الۡقَرۡنَيۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِيۡهِمۡ حُسۡنًا (86) اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے ذوالقرنین سے فرمایا۔ یہ بات طے ہے کہ ان کے نبیؑ ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے قرآن کریم نے کہیں ان کا تذکرہ بحیثیت نبی نہیں کیا، ایک بڑے طاقتور حکمران کے طور پر کیا ہے کہ اُن کے پاس ہر قسم کے اسباب ہم نے جمع فرما دیئے تھے تو پھر یہ خطابِ الٰہی انہیں کیسے ہوا؟ یہ اولیاء اللہ کو بھی ہوتا ہے اور یہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر الہام ہوا یا القاء ہوا کہ اس بچے کو دریا میں ڈال دو اور انہوں نے اس پر عمل کیا، ڈال دیا۔ اس الہام میں یہ بھی تھا کہ ہم اسے آپ کو واپس کر دیں گے، اسے اپنا نبیؑ مبعوث کریں گے، اِسے اپنے رسولوں میں سے بنائیں گے اور انہیں جلد ہی دوسرے، تیسرے دن بچہ واپس بھی مل گیا۔ پھر انہوں نے ہی موسیٰ کو پالا اور پھر وہ اللہ کے نبیؑ بھی مبعوث ہوئے تو یہ ثابت ہے کہ الہام یا القاء اولیاء اللہ کو بھی ہوتا ہے۔ وحی سوائے نبیؑ کے کسی اور پر نہیں ہوتی اور اُس پر اولیاء اور اہل اللہ عمل بھی کرتے ہیں تو یہاں بھی یہی ارشاد ہے قُلۡنَا يٰذَا الۡقَرۡنَيۡنِ ...... ہم نے الہام فرمایا کہ اے ذوالقرنین! اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِيۡهِمۡ حُسۡنًا (86) اب یہ تم پر ہے کہ کیا فیصلہ کرتے ہو کہ یہ قوم جاہل ہے، اللہ کی عظمت سے نا آشنا ہے، دین کی، عاقبت کی، آخرت کی انہیں کوئی خبر نہیں ہے۔ اَب یہ تمہارے پر منحصر ہے کہ تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو، انہیں سزا دیتے ہو یا ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے ہو تو انہوں نے عرض کی قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا (87) جو ظلم کرے گا یعنی شرک پر قائم رہے گا یا جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کریں گے، اللہ کو وحدہٗ لاشریک نہیں مانیں گے، دعوتِ حق سے انکار کریں گے ہم اس قوم پر اللہ کی عظمت اور دعوتِ حق پیش کریں گے اور جو انکار کریں گے اُن کو سزا دیں گے اور ہماری سزا کیا ہے؟ ہم تو دنیوی سزا ہی دے سکتے ہیں لیکن انہیں واپس اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے، اپنے پروردگار کی بارگاہ میں جانا ہے۔ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا (87) شرک و کفر کا آخرت میں بے پناہ عذاب ہے جو اللہ کی بارگاہ سے ملے گا۔ ہم کیا عذاب دے سکتے ہیں؟ ہم دنیوی سزا دیں گے یا قتل کر دیں گے لیکن اصل سزا تو قتل کے بعد شروع ہوگی تو جو کفر پر یا ظلم پر قتل بھی ہو جائے گا تو اصل سزا تو مرنے کے بعد شروع ہوگی اور اُن کا پروردگار جو رب العالمین ہے، اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ جیسا عمل ہو اس پر ویسا اجر مرتب فرمائے۔ کوئی گندم بوتا ہے تو ربوبیت اس پر گندم کے دانے لگاتی ہے، کوئی جَو بوتا ہے تو اس پر جَو ہی لگتے ہیں۔ تقاضائے ربوبیت یہ ہے کہ ہر چیز کا انجام اس کی حقیقت، اس کی اصلیت اور اُس کی فطرت کے مطابق ہو۔ کفر و شرک اور برائی کا انجام عذاب اور جہنم ہے اور دُنیا کا عذاب کیا ہے؟ ہم بڑی سے بڑی سزا بھی دیں گے تو آدمی بھگت جائے گا، مر جائے گا، قتل ہو جائے گا لیکن اصل سزا تو انہیں ان کا رب کریم دے گا جو اُن کے اعمال پر جزا مرتب فرمائے گا اور وہ عذاب بہت بُرا اور بہت سخت عَذَابًا نُّكۡرًا بہت نرالا، بہت دُکھ دینے والا اور بہت شدید ہوگا۔

وَاَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ...... اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اعمال صالح کیے۔ ایمان کے ساتھ قرآنِ کریم میں اکثر آپ ہر جگہ دیکھیں گے کہ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ساتھ عملِ صالحہ کی قید ہوتی ہے۔ ایمان کیا ہے؟ ایمان یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی جائے۔ زبانی ایمان کا دعویٰ کرتے رہنا اور عملاً نافرمانی کرنا یہ موزوں نہیں ہے، اس کا جوڑ نہیں بنتا۔ یہ اللہ کی مرضی کہ کسی کے زبانی ایمان پر بھی اسے معاف کر دے تو یہ اس کا کرم ہے لیکن جو بندہ دعویٰ ایمان کرتا ہے اور حضور ﷺ کا اتباع نہیں کرتا تو بظاہر اس کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ ہر دعویٰ اپنے گواہوں سے ثابت ہوتا ہے، شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے۔ ایمان لانا ایک دعویٰ ہے اور اعمال

اس کے گواہ اور شہادتیں ہیں۔ جب ہم ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں تو اس کی شہادت ہمارا کردار دیتا ہے۔ وہ اس پر گواہ ہوتا ہے کہ یہ اتباع رسالت پناہی ﷺ کر رہا ہے، اللہ کے نبی ﷺ کا اطاعت گزار ہے تو اس کا ایمان پکا ہے۔ ہمیں خود اپنا اندازہ بھی کرنا چاہیے کہ ہم دوسروں کی طرف ہی نہ دیکھتے رہیں۔ اپنا تجزیہ کرنا چاہیے کہ الحمد اللہ! میں مسلمان ہوں اور میرا دعویٰ ایمان ہے، اللہ میرا ایمان قبول فرمائے لیکن کیا میرا کردار، ایمان اور یقین کے مطابق ہے؟ تو فرمایا: وَ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ... جو ایمان لائے گا اور اپنی اصلاح کر لے گا، اپنا کردار درست کر لے گا اور اپنے ایمان کے مطابق اعمال کرے گا فَلَهٗ جَزَآءَ نِ الْحُسْنٰى ..... اس کو بدلے میں بھی بھلائی ملے گی، دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ہم یہاں بھی اس پر احسان کریں گے، اس کی عزت کریں گے، اس کی مدد کریں گے، اور آخرت میں اللہ کریم اُسے عزت و احترام سے اور بہت بڑے اجر سے نوازے گا۔ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا (88) ہم بھی اس کے ساتھ نرم بات کریں گے اس پر مہربانی کریں گے، کرم سے پیش آئیں گے اور جب دنیا سے جائے گا تو اللہ کریم حقیقی نعمتیں دینے والا ہے، رب کریم ہے وہ اُسے انعامات سے نوازے گا۔ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ادھر سے فارغ ہوا تو سامانِ سفر درست کیا اور پھر ایک سمت کو چلنے کا ارادہ فرمایا۔ حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ حتیٰ کہ مشرق کی اُن سرحدوں پر جا پہنچے، جہاں سے طلوعِ آفتاب کا منظر آتا تھا۔ آگے زمین نہیں تھی، دُنیا کے مشرقی کنارے پر پہنچ گئے وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا (90) جب دوسرے کنارے پر پہنچے تو وہاں ایک عجیب قوم دیکھی وہ ایسی قوم تھی کہ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے انہیں مکان بنانا بھی نہیں سکھائے تھے، دھوپ، گرمی، سردی میں ایسے ہی رہتے تھے۔ ایسی قوم سے واسطہ پڑا جن کے پاس کوئی اوٹ نہیں تھی، کوئی گھر، کوئی مکان بنانے کا تصور نہیں تھا۔ كَذٰلِكَ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا (91) اور واقعہ حقیقتاً اسی طرح ہے كَذٰلِكَ ساری بات جیسے اللہ کریم ارشاد فرما رہے ہیں، جیسے نبی کریم ﷺ تلاوت کر کے سنا رہے ہیں۔ حقیقت یہ تھی لوگوں نے جو کہانیاں گھڑ رکھی ہیں وہ حقیقت نہیں ہیں۔ كَذٰلِكَ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا (91) اور جو وسائل، اسباب، مال و دولت جو کچھ ذوالقرنین کے پاس تھا، ہمیں خبر تھی، ہم نے خود عطا کیا، ہم سب جانتے ہیں۔ اللہ کریم حقیقت حال سے واقف ہیں اسی لیے وہ یہ حقیقت تم لوگوں کو بتا رہے ہیں، سنا رہے ہیں ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا (92) مشرق سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اُس قوم کے ساتھ کیا کیا، کیا ہوا؟ اللہ کریم نے اس کا تذکرہ نہیں فرمایا، قرآن کریم میں نہیں آیا جو مغرب میں ملے تھے اُن کا تذکرہ تو فرمایا کہ اُن پر ایمان پیش ہوا، جو ایمان لائے ان کی عزت ہوئی، جو کفر پر رہے انہیں سزا دی گئی اور وہ کفر پر مریں گے بھی تو سزا پائیں گے جو ایمان پر مریں گے وہ انعام پائیں گے۔ یہاں اس قوم کا حال یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا لیکن قرآنِ کریم نے اس کا تذکرہ نہیں فرمایا۔

فرمایا: انہوں نے پھر سامانِ سفر باندھا اور شمال کی جانب چل نکلے حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ حتیٰ کہ وہ ایسے بلند پہاڑوں تک پہنچے، عجیب پہاڑوں تک جو شمال میں پائے جاتے ہیں تو وہاں ایک وادی دیکھی جس کے دونوں جانب بہت ہی بلند پہاڑ تھے جن پر چڑھا نہیں جا سکتا تھا اور وہ وادی تھی وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا (93) اور ان پہاڑوں کے پیچھے ایک ایسی قوم دیکھی جو بات سنتے بھی نہیں تھے، سمجھتے بھی نہیں تھے۔ یہ یاجوج ماجوج کا تذکرہ آتا ہے کہ وہ انتہائی وحشی ہیں اور ان میں اتنی درندگی ہے کہ وہ نہ کسی کی سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں اور اسی چیر پھاڑ اور مار دھاڑ میں لگے رہتے ہیں تو وہاں جو لوگ تھے قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ...... جنہوں نے ذوالقرنین کے سامنے شکایت کی کہ اے ذوالقرنین! یہ یاجوج ماجوج نے تو ہمیں تباہ کر دیا ہے یہ ہمیں کوئی ہوش نہیں لینے دیتے، ہر وقت فساد بپا رکھتے ہیں اور ہم اپنے رہنے سہنے کے، پڑھنے پڑھانے کے، تہذیب کے، معیشت کے اسباب

نہیں کر سکتے یہ روز آجاتے ہیں اور ہر چیز تاراج کر کے چلے جاتے ہیں اور ہم رات دن اسی فکر میں رہتے ہیں کہ اس مصیبت سے کیسے خلاصی ہو، ان سے جان کیسے بچائی جائے۔ یہ یاجوج وماجوج کون تھے؟ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ یہ نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور انسانوں میں سے ہیں لیکن ویرانوں اور جنگلوں میں جا کر یہ جاہل ہو گئے پھر ان میں بالکل درندگی آگئی پھر ان کی شکل وصورت بھی بگڑ گئی۔ عجیب وغریب جانوروں جیسی ہوگئی۔ ہیں تو یہ انسانوں میں سے لیکن جانوروں سے بدتر ہیں۔ توڑ پھوڑ اور مار دھاڑ کرنے والی ظالم، جاہل اور لوٹنے والی قوم ہیں۔ شمالی بلند پہاڑوں کے درمیان ایک وادی ہے جس میں یہ رہتے ہیں۔ وادی سے نکلتے تو ہر چیز تباہ کر دیتے، تاراج کر دیتے تو جو لوگ وادی سے باہر رہتے تھے انہوں نے عرض کی کہ اگر آپ مہربانی کریں تو ہم آپ کیلئے کوئی پیسے، کوئی اخراجات، کوئی دولت جمع کرتے ہیں تو آپ ان کے لیے کوئی رکاوٹ بنا دیں کہ یہ روز ہمیں تاراج نہ کریں۔ آپ اس کا کوئی اہتمام کیجیے۔

قَالُوْا يٰذَاالْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اے ذوالقرنین یاجوج اور ماجوج نے تباہی پھیلا رکھی ہے ہمیں تو یہ کبھی ہوش ہی نہیں لینے دیتے کبھی یہ رات کو آنکلتے ہیں کبھی دن کو ان کا نہ کوئی وقت ہے نہ کوئی پروگرام جب جی چاہتا ہے دوڑ آتے ہیں اور ہر چیز تباہ کر کے چلے جاتے ہیں۔ لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں، مکان گرا دیتے ہیں، کھانے پینے کی چیزیں کھا بھی جاتے ہیں لوٹ کر لے بھی جاتے ہیں تو ہمیں تو یہ سنبھلنے کا موقعہ ہی نہیں دیتے۔ ہم آپ کے لیے کوئی دولت جمع کرتے ہیں، خراج جمع کرتے ہیں اور آپ وہ خرچ کر کے ان کے اور ہمارے درمیان کوئی ایسی دیوار بنا دیں یہ عبور نہ کر سکیں کیونکہ وہ وادیاں وہ پہاڑ ایسے ہیں کہ ان پر چڑھنا ممکن نہیں تھا۔ درمیان میں دیوار ہو جائے تو یہ پیچھے رُک جائیں۔ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ رَدْمًا انہوں نے فرمایا: مجھے تمہارے پیسے اور دولت کی ضرورت نہیں ہے، مجھے جو اللہ کریم نے دے رکھا ہے وہ بے شمار اور بے حساب ہے۔ دولت اور سرمایہ میرے پاس ہے تم قوتِ بازو سے میری مدد کرو۔ تم کام کرنے میں افرادی قوت جمع کرو کیونکہ میرے ساتھ تو اس لمبے سفر میں مخصوص تعداد میں لوگ ہیں اتنی بڑی فوج تو میں ساتھ نہیں لیے پھرتا تو تم کام کرنے کے لیے بندے دو تو میں ان کے اور تمہارے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دیتا ہوں تاکہ یہ ادھر نہ آسکیں اور تمہیں تنگ نہ کر سکیں۔ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ...... چنانچہ آپ نے لوہے کی چادریں منگوائیں حَتّٰى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا...... پہاڑوں کے درمیان کی ساری وادی میں دیوار کی صورت میں لوہے کی چادریں جوڑ کر آپ نے پہاڑ نما دیوار کھڑی کر دی جو وادی سے لے کر پہاڑوں کی چوٹی تک تھی۔ وادی کے منہ کو لوہے کی چادروں سے دیوار بنا کر بھر دیا گیا تو آپ نے حکم دیا قَالَ انْفُخُوْا...... اسے دہکایا جائے، اس میں کوئلے ڈال کر آگ جلا کر اسے گرم کیا جائے حَتّٰى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا...... اُسے اس حد تک گرم کیا گیا کہ وہ لوہا بھی آگ نظر آنے لگا بالکل انگاروں کی طرح سرخ ہو گیا۔ قَالَ اٰتُوْنِيْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا (96) آپ نے فرمایا کہ اب پگھلا ہوا تانبا لاؤ کہ اس پر ڈال دیا جائے تو وہ ایک پورا لوہے کی چادروں کا پہاڑ بن گیا اور وہ ایک ایسی مضبوط دیوار بن گئی کہ کوئی اس پر چڑھ نہیں سکتا تھا اور جسے توڑنا بھی آسان نہیں تھا تو آپ نے فرمایا! فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا (97) اب یہ ایسی دیوار بن گئی ہے کہ یہ نہ تو اس پر چڑھ سکتے ہیں اور نہ ہی اس میں نقب لگا کر اس میں سوراخ کر سکتے ہیں۔ یہ بہت بڑی دیوار بن گئی ہے تم لوگ محفوظ ہو گئے ہو۔ اب تم لوگ اپنا کام کرو، اپنا طریقہ درست کرو اور فرمایا: قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ...... انسان کچھ نہیں کر سکتا، جو کام ہوتا ہے، وہ اللہ کریم کی طرف سے ہوتا ہے انسان دکھاوا ہوتا ہے کہ یہ بندہ کر رہا ہے، عطا اُس کی ہوتی ہے۔ تمہارا کام ہو گیا، بہت بڑی رُکاوٹ بن گئی لیکن میں کیا کر سکتا تھا اگر اللہ کریم توفیق نہ دیتے۔ یہ ساری اللہ کی رحمت ہے کہ اتنا بڑا کام ہو

گیا اور ایک لوہے کا اور تانبے کا پہاڑ بن گیا یہ اللہ کی رحمت ہے اب تمہیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اللہ کی اطاعت اختیار کرنا چاہیے اور یاد رکھو! فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ...... جب اللہ کی طرف سے مقرر شدہ وقت آئے گا تو یہ دیوار بھی ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قربِ قیامت میں یہ دیوار پھٹ جائے گی اور ٹوٹ جائے گی۔ یاجوج ماجوج نکل آئیں گے، زمین پر پھیل جائیں گے اور روئے زمین پر تباہی مچادیں گے۔ کھانے پینے کی چیزوں کو چٹ کر جائیں گے۔ انسانوں کو قتل کریں گے، تباہ کر دیں گے، تباہی مچادیں گے۔ اللہ کریم کا ارشاد عالی ہے: فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ...... جب اللہ کریم کا وعدہ آئے گا، مقرر شدہ وقت آئے گا تو ہر چیز تباہ ہو جائے گا وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا (98) اور یقیناً میرے پروردگار کا وعدہ حق ہے۔ وہی سچا ہے اور یہ بھی قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ دیوار پھٹ جائے گی اور یاجوج ماجوج ان شمالی پہاڑوں سے نکلیں گے۔ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ ...... فرمایا ہم ان کو کھلا چھوڑ دیں گے اور یہ اور انسان سارے ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائیں گے۔ وہ نسلِ انسانی کو تباہ کر دیں گے، دنیا میں یہ بے پناہ قتل و غارت کریں گے، لوٹ مار مچائیں گے، کھا پی جائیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے اللہ اُن پر کوئی وبا بھیج دیں گے جس سے وہ سارے مرجائیں گے اور تعفن پھیل جائے گا۔ پھر اللہ کریم اتنی شدید بارش عطا فرمائیں گے کہ جو ان کی لاشوں کو بہا کر سمندروں میں لے جائے گی اور یوں وہ تباہ ہوں گے۔ ظہورِ مہدی، نزولِ عیسیٰ علیہ السلام اور یاجوج ماجوج کا وہاں سے نکل آنا یہ قربِ قیامت کی نشانیاں ہیں۔ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ ...... اور پھر صور پھونکا جائے گا اور پھر فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا (99) سب جمع ہوں گے۔ ایک دفعہ صور پھونکا جائے گا تو ہر ذی روح مرجائے گا، پہاڑ اُڑ جائیں گے، سمندر خشک ہو جائیں گے، زمین تہہ و بالا ہو کر برابر ایک نئی زمین بن جائے گی۔ اس میں نہ کوئی اُتار چڑھاؤ ہوگا، نہ وادی ہوگی، نہ پہاڑ ہوگا نہ دریا، نہ چشمہ ہوگا، ایک ہی چٹیل میدان بن جائے گا اور وہاں پھر ہم سب لوگوں کو جمع فرمائیں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامِ قیامت تک گزرے ہوئے سب کو زندہ کیا جائے گا اور ذی روح وہاں جمع کر دیئے جائیں گے فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا (99) اور ہم سب کو، جتنی مخلوقات ہیں ان سب کو، انسان، حیوان، چرند پرند، ہر چیز میدانِ حشر میں جمع ہو جائے گی وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا (100) پھر وہاں جہنم کو بھی لایا جائے گا۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى (النّٰزعٰت: 36) دوزخ کو وہاں لایا جائے گا کہ جو نہیں مانتے تھے اب اُسے دیکھ کر یقین کر لیں کہ یہ دوزخ ہے۔ اور فرمایا، جب میدانِ حشر میں ساری مخلوق کو جمع کر دیا جائے گا۔ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا (100) تو ہم کافروں کے سامنے جہنم لے آئیں گے گویا ہر چیز واضح ہو کر سامنے آ کر ان پر کھل جائے گی کہ لو دیکھو! یہ جہنم ہے ﴿الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا (101) یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی آنکھیں میری یاد سے بند تھیں، پردے میں تھیں اور وہ سننے کی طاقت بھی نہیں رکھتے تھے، کچھ دیکھ بھی نہیں سکتے تھے اور سُن کر بھی پروا نہیں کرتے تھے۔

سمع و بصارت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ آنکھ جس چیز، جس کام کو دیکھے، اس کی صورتحال سے صرف متاثر نہ ہو، اس کے نتائج پر بھی غور کرے کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے، اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ کان جس بات کو سنیں اس کا تجزیہ کریں اور ان میں جو حق ہے اُسے قبول کریں اور غلط بات ہے تو اس کو رد کر دیں اور اگر یہ کام نہ کرے تو ایسا کرنا انسانی منصب تو نہیں ہے۔ آنکھ تو حیوان کی بھی ہے۔ ہر جانور کی آنکھ بھی ہے، ہر جانور کے کان بھی ہیں، ہر جانور آواز بھی سنتا ہے، دیکھتا بھی ہے۔ جانور خواہش کے تابع ہوتے ہیں۔ جانور کی خواہش بھوک ہوتی ہے یا جائے پناہ کی تلاش ہوتی ہے تو ہر جانور جائے پناہ بھی تلاش کر لیتا ہے۔ کوئی کھوہ، کوئی سوراخ زمین میں بنا لیتا ہے، زندگی بسر کر لیتا ہے، کوئی

درخت پر گھونسلا بنالیتا ہے کوئی زمین پر ٹھکانہ بنالیتا ہے۔ سمندر کی مخلوق اپنا وقت سمندر میں گزار لیتی ہے، اپنے ٹھکانے بنالیتی ہے، اپنی خوراک تلاش کر لیتی ہے، اپنا گزارہ کر لیتی ہے، اگر انسان بھی یہی کرے تو پھر جانوروں اور انسان میں کیا فرق رہا؟ انسان کی سمع و بصر کا مصرف یہ ہونا چاہیے کہ جو کچھ وہ دیکھے اس کے انجام کو بھی دیکھے۔ دُنیا ہمارے سامنے گزر رہی ہے، جو گزر چکی ہے اس کی تاریخ اور واقعات موجود ہیں۔ تو ہمیں ان حالات سے عبرت بھی حاصل کرنا چاہیے۔ کتنے لوگوں نے ظلم کر کے، لوٹ مار کر کے کتنی بڑی بڑی سلطنتیں بنائیں، کتنی بڑی بڑی رہائش گاہیں بنائیں، لاؤ لشکر بنائے۔ کہاں ہیں وہ لوگ اور ان کے وہ لاؤ لشکر اور وہ قلعے؟ اور جتنے لوگوں کو قتل کیا، لوٹ مار کیا وہ عذاب ان کی گردن پر سوار رہا۔ دُنیا کی دولت تو اُن کی موت کے ساتھ ختم ہوگئی۔ زندگی ختم ہوئی تو اُن کی بادشاہت بھی گئی، دولت بھی گئی، حکومت بھی گئی، اقتدار بھی گیا اور یہ ضروری نہیں کہ بادشاہ ہی ظلم کرتے ہیں، جو بندہ بھی ناجائز اور ناروا کرتا ہے وہ ظلم کرتا ہے۔ ہم اپنا حال دیکھیں تو ہم سارا شور حکمرانوں کے خلاف کرتے ہیں لیکن کیا عام آدمی ظلم نہیں کر رہا؟ دُکاندار، تاجر، چھابڑی فروش یا گلے میں کوئی چھابا لٹکا کر چیزیں بیچنے والا، جتنی زیادتی اُس سے ہوسکتی ہے وہ بھی کر رہا ہے۔ کرنا تو ہر ایک نے اپنی بساط کے مطابق ہے ناں! تو وہ بھی کر رہا ہے۔ کہاں ہے ہمارے پاس انصاف، عدل، شرم وحیا اور نیکی؟

فرمایا، نظر وہ ہے، بصارت وہ ہے جو ان چیزوں کے انجام تک پہنچے۔ تاریخِ عالم تمہارے سامنے ہے، زمین کا سینہ کھلا ہوا ہے، بڑے بڑے عظیم بادشاہوں کے قلعے تمہارے سامنے کھنڈروں کی صورت میں عبرت کا نمونہ بنے ہوئے ہیں اور جن لوگوں نے نیکی کی، بھلائی کی، اُن کا نیک انجام بھی تمہارے سامنے ہے۔ ہمیشہ نیکی کا انجام بھی نیک ہوتا ہے۔ جس راستے پر کوئی چلتا ہے، نتیجہ اُسی راستے کی انتہا ہوتی ہے اگر کوئی بُرائی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو پھر برائی کی انتہا اس کا مقدر بن جاتی ہے پھر آخرت میں اُسے برائی پیش آتی ہے۔ نیکی کی راہ پر چلتا ہے تو نیک چیزیں اس کا مقدر بنتی ہیں اور نیک انجام ہوتا ہے اور نتائج نیک ہوتے ہیں۔ تو فرمایا، دوزخ ان لوگوں کے لیے ہے نِ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں۔ یادیا ذکر عمل کا کام ہے، عمل ہاتھ پاؤں سے ہوتا ہے۔ یہاں تو قرآنِ کریم فرما رہا ہے کہ ان کی آنکھیں میرے ذکر سے بند تھیں تو یہ آنکھ سے ذکر کیا ہوتا ہے؟ قرآنِ کریم کا اندازِ بیان یہ ہے كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ ان کی آنکھیں میرے ذکر سے میری یاد سے بند تھیں۔ فرمایا، انسانی آنکھ کا کمال یہ ہونا چاہیے کہ کسی چیز کو دیکھے تو اس کے نتیجے پر پہنچے اور کہے، سبحان اللہ! بنانے والا کیا عظیم صنعت کار ہے۔ بصارت کی وجہ سے اس طرح یادِ الٰہی نصیب ہوگئی، ذکرِ الٰہی نصیب ہوگیا۔ کوئی اچھی عمارت دیکھتا ہے، کوئی اچھا پھل دیکھتا ہے، کوئی اچھا درخت دیکھتا ہے، کوئی اچھا سبزہ دیکھتا ہے، کوئی کھانے والی اچھی سبزی دیکھتا ہے، اچھا کپڑا دیکھتا ہے، اچھا گھر اُسے نصیب ہوتا ہے تو جب بھی اُس پر نظر پڑے تو اللہ کی یاد تازہ ہو جائے کہ یہ اس کا احسان ہے۔ یہ پھل اللہ نے میرے لیے بنایا ہے، یہ رزق اللہ نے مجھے دیا ہے، یہ لباس مجھے اللہ کریم نے عطا فرمایا ہے تو یہ آنکھ کا ذکر ہے، وہ آنکھ تو انسانی آنکھ نہیں جو اللہ کی عظمت تک نہ پہنچے، حیوانی آنکھ بھی چیزیں تو دیکھتی ہے، ایک جانور کو چھوڑ دیں تو وہ خشک چارے کو چھوڑ کر دوسری طرف سبزہ ہو تو وہ سبزے کی طرف چلا جائے گا۔ یہ تمیز تو اُسے بھی ہے، لیکن اُسے یہ نہیں پتا کہ خشک چارے کا خالق بھی وہی ہے اور سبزے کا خالق بھی وہی ہے، تو وہاں تک اس کی نگاہ نہیں پہنچتی، اس کو اللہ نے استعداد ہی نہیں دی۔ لیکن انسان تو جس چیز کو دیکھے، اگر کسی کے تباہ شدہ قلعے دیکھے تو اس سے عبرت حاصل کرے کہ اُن لوگوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور اس نے انہیں برباد کر دیا۔ اُجڑی ہوئی بستیاں اور ویرانے اور تباہ شدہ مکانات اُسے اللہ کی یاد دلائیں، عالیشان محلات دیکھے تو پھر بھی اللہ کی یاد آئے کہ پھر اس پر اللہ نے احسان کیا اور انہیں یہ نعمتیں عطا کیں، خود کو کھانا ملے، پیاس میں ٹھنڈا پانی ملے، بھوک لگے تو

کھانا ملے تو وہ جو محسوسات ان نعمتوں کے استعمال کی ہیں وہ اللہ کی عظمت تک جائیں کہ الحمدللہ! اللہ نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ فرمایا، اس بصارت کا صحیح استعمال تو یہ تھا کہ یہ دنیا کی نعمتیں اور دولت کو دیکھ کر میری عظمت کے قائل ہوتے اور ان کی بصارت بھی میرا ذکر کرتی لیکن یہ میری عطا کردہ دولت، نعمتیں استعمال کرتے رہے اور میری یاد بھولے رہے، اُس پر ان کی طرف سے پردہ پڑا رہا۔ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا (101) اور اسی طرح انہوں نے سماعت کو بھی استعمال نہیں کیا کہ کوئی اچھی بات سنتے اور میرا شکر ادا کرتے، کوئی بُری خبر سنتے تو اللہ کی عظمت سے پناہ چاہتے، اس بُری بات سے اللہ سے پناہ چاہتے، اللہ کریم سے حفاظت کا تقاضا کرتے۔

انسانی زندگی کا ہر لحہ، ہماری زندگی کا ہر لحہ یا ہمیں اللہ سے قریب کر رہا ہے یا اُس سے دور کر رہا ہے۔ ہر لمحے میں جو ہم سوچ رہے ہیں یا وہ اطاعت الٰہی ہے یا نافرمانی ہے، ہر لمحے جو ہم دیکھ رہے ہیں وہ یا اطاعت ہے یا نافرمانی، ہر لمحے میں جو کر رہے ہیں وہ یا اطاعت ہے یا نافرمانی ہے۔ ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ مجھے کوئی طریقہ بتائیں کہ میری اصلاح ہو جائے۔ انہوں نے فرمایا، آسان سا کام ہے علی الصبح اُٹھو تو ایک ڈائری اور قلم لے لو اور بیدار ہونے سے رات سونے تک جو بات کرتے ہو لکھ لو، جو کام کرتے ہو وہ لکھ لو، رات سونے سے پہلے ایک دفعہ اس سارے کو پڑھ لینا، تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ دن بھر تم نے کتنی اطاعت کی ہے اور کتنی نافرمانیاں کیں۔ پھر تمہیں اس دن کا اندازہ ہو گا کہ بلوغت سے لے کر وفات تک کے ہر لمحے، ہر دن کا محاسبہ ہو گا کہ کتنی اطاعت اور کتنی نافرمانیاں کیں تو اللہ کرے تمہاری اصلاح ہو جائے۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم محاسبہ تو سارا دن کرتے ہیں لیکن دوسروں کا کرتے رہتے ہیں۔ فلاں نے یہ غلطی کی، فلاں نے یہ برائی کی، فلاں نے یہ کیا، فلاں نے یہ کیا، جن سے تعلق ہو اُن کی نیکیاں گنتے رہتے ہیں، فلاں بڑا اچھا ہے، اس نے یہ اچھا کام کیا۔ سب سے پہلے مقدم ہے کہ ہم اپنا جائزہ لیں کیونکہ ہمیں وہ بھگتنا ہے جو ہم نے کیا، جو دوسرے نے کیا وہ اُسے بھگتنا ہو گا۔ جو ہم نے کیا وہ ہمیں بھگتنا ہو گا تو اس کی ہمیں فکر ہی نہیں ہوتی تو قرآن کریم کی آیات ہماری توجہ اس طرف دلا رہی ہیں۔ ہمارا تو عالم یہ ہے کہ جب زندگی ختم ہونے پر آتی ہے تو ہم بڑے چیختے چلاتے ہیں، ڈاکٹروں کے پاس بھاگتے ہیں، پیروں کے پاس بھاگتے ہیں، تعویز لیتے ہیں، دَم کرواتے ہیں لیکن موت نہیں ٹلتی۔ کوئی ایسی جائے پناہ نہیں ہے کہ جب اللہ کی طرف سے زندگی ختم ہو جائے تو کوئی ایک دن، ایک گھنٹہ، ایک لمحہ بڑھا سکے۔ ایسا کوئی نہیں ہے۔ زندگی کو ہم کیسے خرچ کر رہے ہیں، کسی سے پوچھو کیا کر رہے ہو؟ تو کہتے ہیں وقت پاس کر رہے ہیں۔ کیا وقت اتنا سستا ہے، وقت اتنی کم قیمت چیز ہے جسے تم گزارنے کے لیے سڑک پر، ہوٹل پر آ بیٹھے ہو، تاش کھیل رہے ہو، ریڈیو سن رہے ہو، ٹی وی دیکھ رہے ہو، کیوں لگے ہوئے ہو اُس میں؟ جی وقت گزار رہا ہوں، pass کر رہا ہوں۔ وقت بہت قیمتی چیز ہے جو لمحہ بیت گیا بیت گیا۔ اگر اب ایک دن کا تجزیہ شام کو کرو کہ دن بھر کے کتنے لمحات میں نے یادِ الٰہی میں بسر کیے، کتنے کام میں نے اطاعت الٰہی میں کیے۔ عجیب بات ہے کہ ہم تاش کھیلنے لگ جائیں تو ہمیں نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس لگتی ہے، ساری ساری رات گزر جاتی ہے۔ وہی بندہ اگر نماز پڑھنے کے لیے آئے تو اسے اتنی جلدی ہوتی ہے کہ وہ رکوع، سجود بھی پورا نہیں کرتا۔ کیا عجیب بات ہے کہ ہم نیکی کے کام میں وقت صرف کیوں نہیں کرتے کہ فارغ وقت ہے دو رکعت نفل پڑھ لو، وہ سکون سے ادا کرو، فارغ وقت ہے تلاوت کر لو، فارغ وقت ہے تسبیحات پڑھ لو تو وقت فارغ نہیں رہے گا، مثبت کام پہ لگ جائے گا۔ یہ کیا بات ہوئی کہ میں وقت (Time) پاس کر رہا ہوں۔ وقت ضائع کر رہے ہو، گزار رہے ہو، سب سے قیمتی چیز جو ہے وہ یہی ہے۔ ملازم جو ہیں وہ ملازمت پر گھنٹہ لیٹ آئیں گے، گھنٹہ پہلے چلے جائیں گے۔ گھر جا کر کیا کرو گے جس کام کی اُجرت لیتے ہو اس کو پورا کیا ہے، رزق حلال کیا ہے؟ نہیں کیا ہے تو خود حرام کھاؤ گے، بچوں کو حرام کھلاؤ گے، اُن کے دل میں نحوست ہو گی، وہ کہاں اچھے شریف

انسان بنیں گے۔ چور ڈاکو ہی بنیں گے جن کا ہمیں شکوہ ہے۔ دہشت گردی ہوگی تو دہشت گردی تو ہم ہی پھیلا رہے ہیں۔ جب ہم بچوں کو حلال نہیں کھلاتے تو وہ دہشت گرد ہی بنیں گے، ولی اللہ تو نہیں بنیں گے۔ اپنے وقت کا ادراک کرو، جو چیز دیکھو تو اس کے نتیجے تک جاؤ اور سمجھو کہ اللہ کریم نے اُسے کتنا خوبصورت بنایا ہے یا جسے سزا ملی اسے اللہ کریم نے دوسروں کے لیے بھی عبرت کا سبب بنا دیا ہے۔ اور سمع اور بصارت اور زبان بھی اللہ کی یاد پہ لگاؤ اور دلوں میں اللہ کو بساؤ کہ ہر دھڑکن میں دل ایک بار دھڑکے اور لاکھوں بار اللہ اللہ کہہ جائے۔ جب دل زندہ ہوتا ہے ناں! کسی کو سات لطائف بھی نصیب ہو جائیں تو ساتواں لطیفہ سلطان الاذکار بندے کے ہر سیل کو ذاکر کر دیتا ہے۔ ہر بندے میں دس کھرب سیل ہیں تو جب ہر سیل ذکر کرتا ہے تو دل ایک بار دھڑکتا ہے اور ذکر دس کھرب بار ہوتا ہے۔ جس کا صرف سلطان الاذکار روشن ہو جائے ناں اس بندے کو بھی یہ منصب مل جاتا ہے کہ دل ایک بار دھڑکتا ہے اس کا وجود دس کھرب بار ذکر کرتا ہے۔ اس کے وجود کا ہر سیل (Cell) ذکر کرتا ہے۔ ایسی نعمتوں کی طرف آؤ، کیا دنیاداری میں پھنسے ہوئے ہو۔ پھر یہ چیزیں سامنے آجاتی ہیں، ان کو ہمیں (Face) کرنا ہے، سامنا کرنا ہے، ان سے ہمیں سابقہ پیش آنا ہے۔ اللہ کریم ہمیں اپنی یاد کی توفیق عطا فرمائے، ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے اور ہمیں نیکی پہ گامزن رکھے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

(بقیہ سوال جواب: صفحہ نمبر 32)

یا ان سے آگے جو کیفیات منتقل ہوں گی، اُن میں بھی کسی کو ہوش نہیں ہوگی۔ اور یوں دُنیا خرابی کی طرف بڑھتی جائے گی۔ ایمان والے اُٹھ جائیں گے، کسی مومن پر قیامت قائم نہیں ہوگی بلکہ قیامت کے قیام سے پہلے حضور ﷺ کا ارشاد موجود ہے کہ اللہ کریم ایسی ہوا چلا دیں گے کہ جس میں ذرا بھی ایمان ہوگا وہ دُنیا سے اُٹھ جائے گا اور سارے بدکار، بُرے، بے دین رہ جائیں گے۔ قیامت کی نشانیوں میں حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: "حتی لا یقال اللہ اللہ" کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہیں رہے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

(بقیہ مسائل السلوک: صفحہ نمبر 19)

اگر یہ مسلمانی ہے تو پتا نہیں کفر کس بلا کا نام ہے اگر اسے ہم مسلمانی کہیں گے تو پھر کفر کیا ہوتا ہے۔ یہ تو وہ زندہ کتاب ہے کہ نزول سے لے کر قیامت تک آنے والے ہر انسانی مسئلے کا حل اس میں موجود ہے، معاشرے کے ہر سوال کا جواب موجود ہے خواہ وہ آئین و دستور کے متعلق ہو یا سیاست، معیشت کے متعلق۔ لین دین، کاروبار، خانگی تعلقات ہوں یا ملکی بین الاقوامی، ہر موضوع کا پورا مستقل جواب قابل عمل آسان ترین حل اس میں موجود ہے اور اس کا دوسرا بڑا کمال یہ ہے کہ اس کے جس قانون پر عمل کریں وہ عبادت شمار ہوتا ہے۔ یعنی دنیا کا جو کام قرآن کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کریں وہ نفل پڑھنے سے زیادہ بڑی عبادت شمار ہوتا ہے۔ بہر حال یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے اللہ کریم ایسا وقت بھی لائیں گے کہ اس ملک پر ان شاء اللہ اس کا آئین و دستور نافذ ہوگا۔

ضرورت رشتہ

لاہور کی رہائشی ایک لڑکی عمر-33 سال، تعلیم- بی کام کیلئے مناسب رشتہ درکار ہے
سلسلہ عالیہ سے منسلک احباب کو ترجیح دی جائے گی۔
رابطہ نمبر
0307-4546278

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

گذشتہ سے پیوستہ

سوال: حدیث پاک میں ہے کہ جو میری قبر پر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے، میں ﷺ سنتا ہوں۔ اس سے مراد جالی اطہر کے سامنے پڑھنا ہے یا پوری مسجد میں جہاں بھی پڑھیں حضور ﷺ سنتے ہیں۔ حج کے دنوں میں بھیڑ کی وجہ سے جالیٔ اطہر تک پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔ مولانا یوسف بنوریؒ کہتے تھے کہ میرے نزدیک پوری مسجد نبوی مواجہ رسول ﷺ ہے، جہاں بھی پڑھا جائے۔

جواب: مولانا کی رائے صائب ہے۔ صاحب علم تھے، محدث تھے، مفسر تھے، فقیہہ تھے اور یہ حضوری ایسی ہی ہوتی ہے کہ یہ کوئی جالی اطہر کے ساتھ پابند نہیں ہے۔ آپ دیکھیں اب اس حال میں اس دنیائے آب وگل میں جلوہ افروز ہوتے اور روضۂ اطہر کی جگہ بیٹھے ہوتے تو کیا یہ ساری مسجد اسی ادب واحترام کی مستحق نہ ہوتی جو حضور بارگاہ نبوی ﷺ میں باز یابی کے وقت ہے؟ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر بندہ جالیٔ اطہر کے ساتھ ہی پہنچ جائے۔ آگے لوگ ہیں، رش ہے بھیڑ ہے تو جہاں بھی جائے، آدابِ محفل کا لحاظ اول ہے لازمی ہے، جہاں جگہ ملے وہاں سے کھڑا ہو کر سلام عرض کر دے۔ حضور ﷺ سنتے بھی ہیں جواب بھی ارشاد فرماتے ہیں۔

سوال: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسفل من الکعبین من الازار ففی النار (صحیح بخاری)

جواب: ہمارے ہاں بھی شلوار ہی نہیں، چادر باندھنے والوں کا بھی ایک انداز ہوتا تھا کہ بندہ آگے جا رہا ہے وہ 6 انچ یا ایک فٹ پیچھے زمین پر گھسٹتی آ رہی ہے۔ یہ اس لیے نہیں کہ ان کی ضرورت ہوتی تھی، یہ تکبر کی علامت ہوتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا ہے تو وہ تہبند گھسیٹ کر چل رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح خودنمائی یا تکبر کے انداز میں اس کی نشاندہی حضور ﷺ نے فرما دی چونکہ یہ ایک بڑا Main نشان تھا کہ اُن کے ازار اور تہبند اور شلواریں یا جو بھی وہ پہنتے تھے وہ ٹخنوں سے نیچے تک گھسیٹ کر چلتے تھے۔ اب بھی بعض لوگوں نے پتلونیں پہنی ہوتی ہیں، نیچے سینڈل پہنا ہوتا ہے تو پتلون ایڑی کے نیچے سے جوتے میں بھی گھسی ہوتی ہے۔ بڑائی کے اظہار کے لیے کرنا سختی سے منع ہے۔ تکبر منع ہے لیکن یہ اُن واجبات میں اُن عین فرائض میں نہیں ہے کہ اگر کسی کی شلوار آدھا انچ ٹخنے سے نیچے ہوگئی تو وہ اس وعید میں آ جائے گا۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ کی آدھی ٹانگیں ننگی ہوں۔ لوگ بنیادی باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور جزئیات کو دین بنا دیتے ہیں۔ اس بات پر اَڑ جاتے ہیں اور کپے اَڑ جاتے ہیں۔ وہی بندہ خواہ نماز ادا نہ کرے پروا نہیں ہے۔ شلوار پتلون گھٹنوں تک ہونی چاہیے۔ افراط وتفریط احکامِ شرعی میں جائز نہیں ہے۔ یہ تو تکبر کی ایک نشانی ہے کہ شلوار نیچے کرے، لباس پہن کر اترانا یا اپنی بڑائی کا اظہار کرنا منع ہے۔ لباس اچھا پہنتا ہو، اللہ کا شکر کرنے کے لیے پہنے تو حدیث میں حکم موجود ہے کہ جو حیثیت اللہ نے تمہیں دی ہے اس کے مطابق لباس پہنو، اللہ اپنی رحمت کے آثار تم پر دیکھنا چاہتا ہے۔ وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ (الضحیٰ: 11) اور یہ بھی ادائے شکر کا ایک طریقہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا اظہار کیا جائے۔ لیکن اگر اُسے اپنی بڑائی کیلئے کیا جائے یا اکڑنے کے لیے کیا جائے تو وہ اس وعید میں داخل ہو جاتا ہے۔

خواہ شلوار ہو یا لباس کا کوئی حصہ بھی اس غرض سے بنایا جائے کہ میں بہت بڑا آدمی ہوں اور اس میں اکڑ کر چلا جائے تو اس وعید کے مصداق ہو جاتا ہے۔

سوال: کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی ہمارے سلسلۂ عالیہ کا مجاز ہو اور اُسے کسی دوسرے سلسلے سے برزخ کی مجازیت مل جائے اور منازل؟

جواب: ہاں ممکن ہے، اُسے شیطان سے مل جائے گی اور اس طرح وہ اُس کو بہکا کر لے جائے گا۔ یہ بالکل ممکن ہے۔ ایک بزرگ ہوتے تھے، شیر باز ان کا نام تھا، جہاں تک مجھے یاد ہے، مناسب قد کے، دُبلے پتلے، سفید ریش بزرگ تھے۔ حضرت نے انہیں حلقے میں لیا، اُن کے مشاہدات بہت اچھے تھے، جماعت کی ابتداء ہو گئی تھی لیکن چند ساتھی تھے۔ وہ حضرت جیؒ کے ساتھ دورے پر گئے تو واپسی پر حضرت جیؒ نے ان سے پوچھا کہ میاں شیر باز، بھئی کمال ہے، میں نے کئی دن سے نوٹ کیا ہے کہ جب میں سحری کا ذکر کراتا ہوں، تم سوتے رہتے ہو تو پھر تمہارا میرے ساتھ رہنے کا کیا فائدہ ہے؟ وہ کہنے لگا جی آپ جب عشاء کے ذکر کے بعد آرام فرماتے ہیں، سو جاتے ہیں تو میرے پاس دو بزرگ آ جاتے ہیں، وہ مجھے ساری رات ذکر کراتے ہیں تو میں ساری رات کا تھکا ہوتا ہوں۔ آپ جب ذکر کراتے ہیں، میں نماز پڑھ کر سو جاتا ہوں۔ حضرت جیؒ نے فرمایا میاں وہ شیطان ہیں، تجھے لے ڈوبیں گے، انہوں نے ذکر تجھے کیا کرانا ہے! اللہ کا خوف کر اور اس سے باز آ جا۔ اب شیطان نے اسے ایسا پختہ کیا تھا کہ وہ کہنے لگا آپ میری ترقی سے جل گئے ہیں۔ برزخ سے بزرگ آ کر مجھے برکات دے رہے ہیں، آپ برداشت نہیں کر رہے۔ حضرت جیؒ نے فرمایا، جا دفع ہو جا، یہاں سے نکل جا، تو جان تیرے برزخ والے جانیں۔ پھر اس سے ہر چیز چلی گئی نہ وہ بات رہی نہ کشف رہا نہ کوئی چیز اور یہ چیزیں، یہ انوارات جب جسم سے سلب ہوتے ہیں تو عموماً ایمانی کیفیات کو بھی لے جاتے ہیں۔ یہ واقعہ تو میں نے دیکھا تھا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو شیطان کوئی شکل بنا کر کہے، جا میں تجھے اجازت دیتا ہوں اب تو فلاں سلسلے کا بھی ہے، فلاں سلسلے کا بھی۔ ایسی مثالیں سلسلے میں موجود ہیں۔

سوال: مہرِ نبوت والا بابرکت پرچم جو ہمارے سلسلۂ عالیہ کا ہے، کی برکت و فضیلت کے بارے ارشاد فرمائیے۔

جواب: میرا خیال ہے اس کی بنیاد تو کسی نہ کسی بیان یا تحریر میں آ گئی ہے۔ یہ سعی کرتے ہوئے مجھے یاد نہیں کس چکر میں، صفا مروہ میں سعی کر رہے تھے، مقام صفا پہ جب ہم دُعا کر رہے تھے تو یہ بیت اللہ پر بابِ فتح سے نمودار ہوا اور ہمیں عطا ہوا۔ اس پر دُنیا کا نقشہ اور اوپر مہرِ نبوت تھی۔ برکات اس کی ظاہر ہیں کہ مہرِ نبوت تو حضور ﷺ کے زمانے میں تھی۔ آج تک ہم نے کہیں سوائے کتابوں کے اُسے نہیں دیکھا۔ اللہ کریم نے جب سے ہمارے جھنڈے پہ لگائی ہے تو اب دیکھ لیں کہ ٹیلی ویژن پر بھی آ گئی، گھروں میں بھی آ گئی، ہر جگہ ہر مسلمان کے گھر میں مہرِ نبوت کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ جہاں تک روئے زمین کا تعلق ہے اس وقت جاپان سے لے کر امریکہ کے مغربی ساحلوں تک اور چین سے لے کر افریقہ تک الحمد اللہ ہر جگہ اس مہر کے حامل اور اللہ اللہ کرنے والے موجود ہیں۔ یعنی چند سالوں میں جس طرح یہ دُنیا کے نقشے پر مہر ہے اسی طرح دُنیا کی زمین کے سینے پر ہر جگہ اللہ اللہ کرنے والے موجود ہیں۔ یہ اللہ ہی کی برکت ہے، اللہ ہی کی رحمت ہے اور اسی کی قدرتِ کاملہ ہے کہ اس نے اس چیز کو اتنا پھیلا دیا۔

سوال: حضور اکرم ﷺ نے زندگی کے ہر شعبے میں راہنمائی فرمائی ہے، زندگی کو سہل بنانے کا طریقہ و سلیقہ سکھایا ہے الحمد اللہ! سوال یہ ہے کہ اگر زندگی میں کسی فسادی اور سخت مزاج بندے سے گزارا کرنا پڑے تو اس کا مسنون طریقہ بتا دیں۔

جواب: یہ خواتین کا سوال ہے اور یہ سوال تب پیدا ہوتا ہے جب

ہم یہ طے کر لیتے ہیں کہ جو میں کہتا ہوں یہ تو بالکل حق ہے، اس میں تو غلطی کی گنجائش نہیں جو دوسرا کہتا ہے وہ غلط ہے۔ وہاں مقابلہ شروع ہو جاتا ہے۔ کبھی میاں بیوی میں، کبھی والدین اور اولاد میں اور عموماً ساس اور بہو میں یہ مقابلہ جاری رہتا ہے۔ میرے پاس لوگ آتے ہیں جی یہ بچہ بہت ضد کرتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں، ہو سکتا ہے بچہ ضد نہ کرتا ہو آپ ضد کرتے ہوں۔ ہو سکتا ہے بچے کا مطالبہ صحیح ہو، آپ ضد کر رہے ہوں کہ نہیں یہ نہیں کرنا۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی کتاب مانگ رہا ہو، اُسے اس کی ضرورت ہو۔ آپ کہتے ہوں اس کی ضرورت نہیں میں خرید کر نہیں دیتا۔ ضد بچہ تو نہیں کر رہا، آپ کر رہے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو کُلی طور پر سچا سمجھ لینا اور دوسرے کو بالکل جھوٹا یا غلط سمجھ لینے سے ضد پیدا ہوتی ہے۔ تھوڑی سی گنجائش رکھیں کہ ہو سکتا ہے کہ مجھ سے بھی غلطی ہو رہی ہو۔ ہو سکتا ہے اگلے کی بات سو فیصد صحیح نہ ہو لیکن پچاس فیصد، پچیس فیصد اُس میں بھی صداقت ہو۔ اس انداز سے دیکھا جائے تو پھر مقابلہ نہیں رہتا پھر ضد نہیں رہتی، پھر کوئی افہام و تفہیم کا راستہ نکل آتا ہے۔ ایک بڑا جھگڑا بنتا ہے جب خاتون شادی کر کے آتی ہے وہ سمجھتی ہے اب یہ بندہ میری ہی ملکیت ہے حالانکہ اس بندے کے ذمہ اور بھی بڑے حقوق ہوتے ہیں، والدین بھی ہوتے ہیں، بہن بھائی بھی ہوتے ہیں، دیگر ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں، ملازمت کی ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔ اب کوئی کُلی طور پر بیوی کے قدموں میں بیٹھ جائے یہ تو ممکن نہیں ہے۔ اسے کما کر بھی لانا ہے، اسے دوسروں کے حقوق کا، والدین کا، بہن بھائیوں کا بھی خیال رکھنا ہے، رشتہ داروں کا حق بھی ادا کرنا ہے، کسی کی شادی، کسی کی موت، اگر بیوی یہ گنجائش رکھے کہ میرے حقوق پورے ہو رہے ہیں، باقی اس کی اپنی ذمہ داریاں ہیں، دوسری ذمہ داریاں بھی اس نے پوری کرنی ہیں تو جھگڑا نہیں ہوتا، میاں بھی اگر حق پہ رکھے کہ بیوی بھی انسان ہے، ہمارے گھر میں آئی ہے، گھر کا ایک فرد ہے، اپنے حصے کی ہی ذمہ داریاں ادا کر سکتی ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ سارے گھر کا بوجھ یہ اکیلی ہی اُٹھا لے تو شاید جھگڑوں سے بچ جائیں۔ اب بہو آ جاتی ہے۔ بہو سمجھتی ہے یہ میرا میاں ہے، ساس کہتی ہے نہیں یہ میرا بیٹا ہے۔ ہیں تو دونوں سچی، اس کا بیٹا بھی ہے اس کا میاں بھی ہے کہ اب جو بیٹے کے حقوق ہیں وہ ماں طلب کرے اور جو میاں کے حقوق ہیں وہ بیوی طلب کرے پھر تو جھگڑا نہیں ہوتا۔ پھر تو نہ کوئی سخت مزاج ہوتا ہے نہ ضدی ہوتا ہے۔ جب سارے پر قبضہ کرنا چاہیں پھر جھگڑا شروع ہو جاتا ہے، والدین بھی برداشت نہیں کرتے۔ جب تک گھر نہیں لاتے کہتے ہیں ہماری دلہن تو اللہ کی بھیجی ہوئی کوئی حور ہے، اس کا مزاج، اس کی شکل وصورت، اس کی عادتیں سبحان اللہ! جیسے ہی گھر میں آتی ہے تو کہتے ہیں ایک ڈائن گھر میں داخل ہو گئی، اس نے تو سارا نظام اُلٹ دیا۔ پھر وہ ساری باتیں بدل جاتی ہیں، شادی سے پہلے بہو کو بھی ہوتا ہے جی میری ساس تو مجھ پہ نثار ہوتی ہیں، واری واری جاتی ہیں، جب گھر آتی ہے، واسطہ پڑتا ہے تو کہتی ہے کس مصیبت میں پھنس گئی، یہ بڑھیا تو بڑی ہی سخت مزاج اور ضدی ہے، اور یہ ہے وہ ہے۔ کبھی جب کوئی اپنی حد سے تجاوز کرتا ہے تو جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر جھگڑا ہو بھی جائے تو بیٹھ کر سوچ لے کہ کہاں میں نے زیادتی کی ہے اور کہاں دوسرے نے غلطی کی ہے اور یہی مسنون طریقہ ہے۔ بلکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میاں بیوی کو سمجھ نہ آ رہی ہو تو ایک بزرگ، بیوی کی طرف سے، ایک مرد کی طرف سے بیٹھ کر ساری بات سُن کر معاملہ سلجھا لیں۔ جھگڑا یہاں شروع ہوتا ہے جب اپنی حد سے بڑھ کر ہم قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو پھر جب دونوں ہی طرف سے پورے کے پورے کا مطالبہ ہو تو جھگڑا تو ہوگا۔ اب جو تگڑا ہوگا وہ چھین لے گا۔ اپنی حد میں رہیں، والدین کا حق ہے لیکن والدین یہ سمجھیں کہ بہو کا بھی حق ہے۔ بہو کا حق ہے لیکن وہ یہ سمجھے کہ والدین کا بھی حق ہے، بہن بھائیوں کا بھی حق ہے تو پھر سارا کام ٹھیک چلتا رہتا ہے تو ان میں سے کوئی فریق

بھی اپنی حد سے تجاوز کرتا ہے تو پھر جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔

سوال: طریق نسبتِ اویسیہ میں لکھا ہے کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ قربِ قیامت میں مجذوبوں کو اللہ مناصب دے دے گا۔ مثلاً اقطاب کے مناصب یا غوث کا منصب مجذوبوں کو دے دے گا۔ جس کے نتیجے میں وہ تباہی آئے گی کہ قیامت بپا ہو جائے گی۔ یعنی وہ سنبھال ہی نہیں سکیں گے۔ وضاحت فرما دیجیے۔

جواب: اس کی کیا وضاحت فرماؤں یہ تو خود واضح بات ہے۔ پہلی بات یہ جاننا ہے کہ مجذوب ہوتا کون ہے؟ مجذوب کسی پیدائشی پاگل کو نہیں کہتے جیسا آج کل رواج ہے کہ جو پاگل ہو گیا وہ مجذوب ہو گیا۔ مجذوب کہا جاتا ہے ان لوگوں کو جو باقاعدہ تصوف کی تربیت حاصل کرتے ہیں، مراقبات حاصل کرتے ہیں، پھر کسی ایک مراقبے پہ جا کر رُک جاتے ہیں تو وہاں کھڑے کھڑے اس کی تجلیات بڑھتی رہتی ہیں، برداشت نہیں کر پاتے، ان کی دماغ کی باریک نسیں کام چھوڑ جاتی ہیں تو پاگل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد پھر وہ شرع کے مکلف نہیں رہتے۔ نہ وہ نماز کے پابند ہوتے ہیں، نہ حرام حلال کے۔ وہ پاگل ہو گئے تو ان کا Status وہی رہتا ہے، جب تک عقل سلامت تھی تو وہ کرتے تھے۔ جب پاگل ہو گئے، مکلف شرعی نہ رہے، نہ انہیں ترقی ہوتی ہے نہ ان سے کسی کو فائدہ ہو سکتا ہے، ان کا اپنا وہ منصب بحال رہتا ہے جو پاگل ہونے سے پہلے ان کے پاس تھا، ہر آدمی مجذوب نہیں ہوتا، اللہ کریم کا نظام ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے: "اعمالکم عمالکم" او کما قال رسول اللہ ﷺ: یہ کہ تمہارے اعمال ہی تم پر حکومت کریں گے۔ ہمارے جو دنیوی حکمران ہوتے ہیں، وہ بھی ہمارے کردار کا پھل ہوتے ہیں۔ جیسے ہم ہوتے ہیں، ویسا حکمران بن جاتا ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے، اگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری حکومت اچھی نہیں ہے، تو پھر ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم کیا خرابیاں کر رہے ہیں۔ ہم اپنی اصلاح کریں، اللہ اُن کی اصلاح کر دے گا، ان کو توبہ کی توفیق دے دے، اس کی مرضی یا کوئی اچھے لوگ دے دے اس کی مرضی۔ ہم اپنی اصلاح تو کرتے نہیں لانگ مارچ سے بدلنا چاہتے ہیں۔ تو جلوسوں سے لانگ مارچ سے جھگڑوں سے فساد مزید بڑھتا ہے، تکلیفیں بڑھتی ہیں، کوفت بڑھتی ہے، مثبت تبدیلی نہیں آتی۔ ایک یہ ظاہری نظام ہے جس کا حال میں نے یہ عرض کر دیا، ایک باطنی نظام بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے، جس کے لیے اللہ پوری انسانی آبادی میں چار قطب منتخب فرماتا ہے۔ ایک غوث منتخب فرماتا ہے، پوری دُنیا میں ایک وقت میں ایک غوث ہوتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ جو قطب یا غوث ہو خود اُسے پتا بھی ہو کہ میں قطب یا غوث ہوں۔ پتا ہوتا بھی ہے اور نہیں بھی ہوتا۔ اللہ بتا دے اس کی مرضی ہے، سمجھ نہ آئے اس کی مرضی۔ لیکن وہ جو کام ہیں باطنی دُنیا کے وہ اس کے طفیل ہوتے ہیں۔ جیسے سورج کو پتا نہیں کہ اس کی کرنوں سے زمین پر کیا کیا ہو رہا ہے۔ چاند کو پتا نہیں کہ اس کی روشنی سے کیا کیا تبدیلی آتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی باطنی اور روحانی دُنیا کے روشن ستارے ہوتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ انہیں خبر ہو۔ ان کے وجود اور ان کی روحانی کیفیات کے ساتھ اُمور منسلک کر دیئے جاتے ہیں جو سر انجام پاتے رہتے ہیں۔ تو ظاہر ہے جب آپ کسی مکان کو گرانا چاہتے ہیں تو اس کی بنیادیں دیواریں توڑتے ہیں، کمزور کرتے ہیں یا چھت گرا دیتے ہیں۔ آہستہ آہستہ ایک ایک اینٹ جدا کرتے ہیں۔ قدرت کا نظام بھی ہے، انسان کے وجود کے Cell کمزور ہونا شروع ہو جاتے ہیں پھر وہ بیمار پڑ جاتا ہے۔ پھر وہ کمزور تو ہو جاتا ہے، محتاج ہو جاتا ہے۔ کائنات کی موت بھی جب آئے گی تو یہ جو باطنی نظام اللہ نے وجودوں سے وابستہ کیا ہے وہاں باشعور لوگوں کی جگہ مجاذیب کو بٹھا دے گا اور یہ اس عہد کے لوگوں کے کردار کا نتیجہ ہو گا جنہیں اپنی ہوش نہیں ہو گی اُس سے جو آگے Rays جائیں گی۔ (بقیہ: صفحہ نمبر 28)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی سال کی ابتدا محرم سے ہے تو اس کا اختتام ذوالحج پہ ہوتا ہے اور دورانِ سال کا کوئی دن بھی ایسا نہیں جس میں جانفروشانِ اسلام نے حقائق حق کے لیے ظلم و جور وستم کے مقابلے میں جانیں نذر نہ کی ہوں لیکن اس ایک خاص واقعہ کو جسے ہم واقعہ کربلا کے نام سے جانتے ہیں اتنی زیادہ شہرت کیوں ملی کہ ساڑھے تیرہ سو برس بعد بھی اس ایک واقعہ کو خاص طور پر یاد کیا جاتا ہے؟

ہمارے ایک فرقے کی بنیاد ہی اس پر رکھی گئی۔ یہ بھی ایک سبب ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ صرف شیعہ حضرات کی وجہ سے یہ دن یادگار بن گیا بلکہ اسے ہر مسلمان خواہ وہ کسی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا ہے اپنے دل میں اپنے ذہن میں تازہ رکھتا ہے۔ ساڑھے تیرہ سو سال کی دراز مدت نے اس پر بہت سے پردے گرا دیئے، بہت سے حقائق جو ہیں وہ وقت کے طوفانوں کی نذر ہو گئے اور وقت کے ریگزاروں میں دب گئے۔ اب ہمارے پاس اس کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے نواسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لختِ جگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں اور اہل خاندان کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید ہو گئے اور اہل کوفہ کا وہ لشکر جو یزید کے اور اس کے گورنر کے تابع تھا اس نے انہیں بے دردی سے شہید کر دیا۔ یہ ایک اتنی ٹھوس حقیقت ہے کہ جو ہم کسی بھی مکتبہ فکر کی باتوں کو تلاش کریں تو اس پہ ساری متفق ہو جاتی ہیں۔ اس سے کسی شیعہ کو انکار نہیں، کسی سنی کو انکار نہیں، کسی دیوبندی کو انکار نہیں، کسی بریلوی کو انکار نہیں، کسی اہل حدیث کو انکار نہیں، کسی بھی مکتبہ فکر کو اس حقیقت سے انکار نہیں ہے۔ ایک اہمیت تو اس کی یہ بھی ہے کہ باقی سارے جہاد جو ہوئے ان کی نوعیت اور تھی اور اس کی نوعیت اور تھی۔ یہ کوئی فوج کسی فوج سے نہیں لڑ رہی تھی بلکہ خاندان نبوت ﷺ اور اولاد نبی ﷺ بغیر کسی لاؤ لشکر کے چند خادموں یا چند ہمراہیوں کے ہمراہ بسوئے کوفہ رواں تھے کہ انہیں اہل کوفہ کے لشکر نے آگھیرا اور اس تصادم میں بہتر افراد شہید ہوئے۔ جن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد اور ان کے ساتھ جو رفیق سفر تھے خادم تھے اور فقط ایک بچہ بچ سکا حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ جو اس وقت سخت بیمار تھے اور بیماری اور بخار کی تیزی کی وجہ سے خیمے سے نکل ہی نہ سکے۔ صرف وہ مردوں میں سے زندہ بچے۔

> بے کسی اور بے بسی میں مارا جانا، مظلوم ہونا، بھی بڑی بات ہے لیکن قوت و اقتدار رکھتے ہوئے طاقت استعمال نہ کرنا اور شہادت قبول کرنا یہ بڑا مشکل کام ہے

اس کی تاریخی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہو گئی کہ نبی کریم ﷺ کی اولاد تھی۔ آپ ﷺ کے نواسے تھے، آپ ﷺ کی نواسیاں تھیں، ان کی اولاد تھی، خاندان رسالت مآب ﷺ تھا اور بڑی عجیب بات ہے کہ کسی کافر لشکر نے ان پر یلغار نہیں کی، کسی دشمن طاقت نے انہیں شہید نہیں کیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ ان کے خون کے ذمہ دار ہیں وہ بھی اسی نبی آخر الزماں ﷺ کو نبی ماننے کے دعوے دار بھی ہیں، اسی کے اُمتی ہونے کے دعوے دار

ہیں۔ تو یہ حادثہ دونوعیتوں میں سے بالکل مختلف تھا ایک تو یہ کہ خانوادہ نبوت ﷺ کو تہہ تیغ کیا گیا اور دوسری بڑی یہ عجیب بات ہے کہ قاتل جو ہیں وہ بھی اسی نبی ﷺ کا کلمہ پڑھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ یہ دونوں باتیں بھی اپنی جگہ اتنا وزن رکھتی ہیں کہ یہ واقعہ کبھی دلوں سے ذہنوں سے نکل نہ سکے۔

لیکن اس کی حقیقی اہمیت بالکل اور ہے۔ اگر آپ تاریخ اسلامی کو دیکھیں تو نبی کریم ﷺ نے جو اشخاص پیدا فرمائے اور آپ ﷺ کے بعد جب عہد خلافت راشدہ آیا تو وہ ایسے لوگ تھے جن کے سامنے رضائے باری تھی اور مخلوق کی بہتری تھی۔ اقتدار کا نشہ نہ تھا۔ تاریخ کوئی ایسا دوسرا بندہ پیش نہیں کر سکتی جو استقامت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصال نبوی ﷺ کے وقت دکھائی اور جن مشکل حالات میں وہ گھر گئے کہ ایک طرف نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا دوسری طرف بہت سے قبائل آمادہ بغاوت ہو گئے، تیسری طرف کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، چوتھی طرف مسیلمہ کذاب چالیس ہزار کا لشکر جرار لے کر اپنی نبوت کے دعوے کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا اور ایک طرف رومن ایمپائر کی فوجیں اسلامی سرحدوں پہ نظر لگائے بیٹھی تھیں۔ یعنی ایسے عجیب حالات پیدا ہو گئے کہ مسلمان تو وصال نبوی ﷺ کے صدمے سے چور ہو گئے۔ کسی کا باپ فوت ہوتا ہے تو اسے کتنا دکھ ہوتا ہے، کسی کا کوئی مرشد، کوئی نیک بندہ کوئی ولی اللہ، جس کے ساتھ وہ رہتا ہے اس کا وصال ہوتا ہے تو اس کی حالت کیا ہوتی ہے؟ تو جو لوگ محمد ﷺ کے ساتھ ہر آن رہتے تھے، آپ ﷺ کے وصال پر ان کا حال کیا ہوا ہوگا؟ یہ شاید کوئی دوسرا بندہ ان کے علاوہ سمجھ ہی نہ سکے۔ اب اس عالم غم اور انتہائی پریشانی کے عالم میں اتنی ساری مصیبتیں کھڑی ہو گئیں۔ الحمدللہ، اللہ کریم نے ایک ایسا بندہ عطا فرمایا اُمت کو جس نے نیابت نبوی ﷺ کا حق ادا کر دیا اور بیک وقت سب کو دندان شکن جواب دیا۔ رومیوں کی فوجوں کے لیے نبی کریم ﷺ نے سپاہ تیار فرمائی تھی ابھی وہ روانہ نہیں ہوئی تھی کہ وصال نبوی ﷺ ہو گیا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو حکم دیا کہ جو حکم رسول ﷺ کا تھا اس پر عمل کرو اور جاؤ مسیلمہ کذاب کے لیے لشکر ترتیب دیا اور منکرین زکوٰۃ سے اعلان جنگ کر دیا۔ باغیوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جرار شخص نے یہ گزارش کی کہ امیر المؤمنین ہمارے پاس اتنی فوج نہیں ہے کہ ان سب محاذوں پر لڑ سکیں اگر آپؓ روما کے خلاف لشکر بھیج رہے ہیں تو مسیلمہ کذاب کو مؤخر کر دیجیے اور اگر اسے مؤخر نہیں کرتے تو ان باغیوں اور منکرین زکوٰۃ کو مؤخر کر دیجیے۔ سیدنا ابوبکر

حسنین کریمین رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ کے دروازے پر پہرے داروں میں تھے جنہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے مقرر فرمایا تھا

صدیق رضی اللہ عنہ کا جواب یہ تھا کہ میں اگر مدینہ میں اکیلا رہ جاؤں کہ مجھے خطرہ ہو کہ مجھے جنگل کے بھیڑیے آ کر کھا جائیں گے پھر بھی یہ سارے لشکر روانہ کروں گا اور اگر مجھے خود شمشیر بکف ہو کر جانا پڑا میں خود میدان میں جاؤں گا اور اللہ کا احسان ہے کہ وہ سارے لشکر سرفراز و سربلند لوٹے۔ منکرین زکوٰۃ کا قلع قمع ہو گیا، باغی قبائل کی بغاوت فرو ہو گئی، مسیلمہ کذاب مارا گیا، رومیوں نے اپنا لشکر پیچھے ہٹا لیا اور یوں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو پہلا خطبہ دیا اس میں ایک جملہ فرمایا تھا ''کہ ہر طاقت ور میرے لیے کمزور ہے اور ہر کمزور کو میں طاقت ور جانتا ہوں کوئی طاقت کے زور سے کسی کا حق دبا نہیں سکے گا اور کوئی کمزور کسی ظالم کے ظلم سہنے پر مجبور نہیں ہوگا۔'' یہ وہ بات تھی جو نبی کریم ﷺ نے پیدا فرمائی۔

عہد فاروقیؓ آ گیا۔ عہد فاروقی میں تاریخ انسانی میں کسی حکمران نے جتنے علاقے فتح کیے ان سب میں سے سب سے زیادہ علاقے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتح ہوئے۔ ایک

فہرست ہے جس میں سکندر اعظم بھی ہے، جولیس سیزر (Julius Ceaser) بھی ہے، دوسرے فاتحین بھی ہیں ایسے لوگ جو فاتحین عالم کہلاتے ہیں۔ وہ بھی ہیں اس تاریخی دستاویز کو آپ دیکھیں تو کسی نے پچاس ہزار میل، کسی نے ایک لاکھ میل علاقہ فتح کرلیا کسی نے دو لاکھ مربع میل علاقہ فتح کرلیا کسی نے تین، چھ لاکھ مربع میل تک فاتحین عالم ملتے ہیں۔ ایسے حکمران ملتے ہیں جن کے عہد میں چھ لاکھ مربع میل علاقہ فتح ہوا۔ اب اس سے آگے کوئی نہیں ملتا پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ملتے ہیں جن کے عہد میں چھبیس لاکھ مربع میل علاقہ فتح ہوا۔

چھ اور چھبیس کا فاصلہ ہے فاتحین عالم میں اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں۔ فاتحین عالم جہاں سے گزرے شہروں کو راکھ کا ڈھیر کر

> چالیس دن پانی کی ایک بوند تک نہیں گئی۔ ساری سختیاں برداشت کیں اور بالآخر مظلوم شہید ہو گئے لیکن کسی کو دین پر اعتراض کرنے کا موقع نہیں دیا

گئے۔ تاتاریوں کے لشکر جہاں سے گزرے ویرانوں میں بھی پانیوں میں زہر اور جنگلی جانوروں کو بھی تیروں سے مارتے چلے گئے۔ انسانی سروں کے مینار بنے، شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو گئے۔ فاتحین عالم کی داستان کے ایک ایک حرف سے خون ٹپکتا ہے ایک ایک لفظ سے چیخیں اُبھرتی ہیں لیکن اس چھبیس لاکھ مربع میل علاقے میں کسی بوڑھے کی کراہ سنائی نہیں دیتی، کسی بیوہ کا آنسو گرتا دکھائی نہیں دیتا، کسی یتیم کی چیخ سنائی نہیں دیتی صرف فتح نہیں ہوا، عدل ہوا اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ کافروں کو بھی اگر انصاف ملا تو اسلام کے زیرنگیں آکر ملا ورنہ ان کے اپنے حکمران انہیں انصاف نہیں دیتے تھے۔

اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور آگیا۔ اس میں فتوحات جاری رہیں انہیں بھی بغاوت سے شہید کیا گیا اور ان کی شہادت کی داستان بھی بڑی المناک ہے۔ ایک ایسا شخص جس کی افواج افریقہ میں برسرپیکار ہیں، چین میں برسرپیکار ہیں، ہسپانیہ میں برسرپیکار ہیں، سلطنت اسلامی دُنیا کی بہت بڑی سلطنت، چند سو باغیوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور وہ اپنے کسی خادم کی، کسی سرکاری ملازم کی، کسی فوجی، کسی پولیس والے کو حکم نہیں دیتا کہ ان سے مقابلہ کرو۔ جو اعتراضات انہوں نے کیے وہ تاریخ طبری میں موجود ہیں لیکن طبری ہی میں موجود ہے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی ﷺ میں منبر پر بیٹھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلا کر معترضین کو بلا کر انہوں نے اعتراضات کے جواب دیے اور اس پر اکثر صحابہؓ نے رائے دی کہ ان سب کو گرفتار کرلیا جائے اور ان کے سر قلم کیے جائیں۔ یہ بغاوت پیدا کر رہے ہیں۔ بے کسی اور بے بسی میں مارا جانا، مظلوم ہونا، بھی بڑی بات ہے لیکن قوت و اقتدار رکھتے ہوئے طاقت استعمال نہ کرنا اور شہادت قبول کرنا یہ بڑا مشکل کام ہے۔ اتنی بڑی سلطنت کا سربراہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس مشورے میں تھے کہ انہیں نہ چھوڑا جائے اور جب انہوں نے اپنی فوجوں کے پہرے لگانے سے انکار کر دیا تو حسنین کریمین رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہرے داروں میں تھے جنہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے مقرر فرمایا تھا کہ باغیوں کو اندر مت گھسنے دینا۔ اور انہیں کہا گیا کہ آپؓ انہیں سزا دیں۔ فرمایا نہیں میں مدینۃ النبی ﷺ میں قتل و غارت نہیں چاہتا۔ میں نے ساری عمر اس امن کے گہوارے کے لیے جستجو کی ہے، تلاش کی ہے، اور اسے بسایا ہے میں اس میں خون نہیں گرا سکتا۔ پھر یہ مشورہ دیا گیا کہ آپؓ حرم نبوی ﷺ سے مدینہ منورہ کے حرم سے باہر تشریف لے جائیں، یہ بھی باہر آجائیں گے ان سے نبٹ لیجیے۔ فرمایا میں نے ساری عمر آرزو کی ہے کہ نبی ﷺ کی رفاقت رہے۔ میں آپ ﷺ کی رفاقت، آپ ﷺ کا پڑوس، چھوڑ کر باہر کیوں چلا جاؤں؟ شہید ہو گئے۔ اس شہادت کے پیچھے بھی باغیوں کا مقصد یہ تھا اور جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پورا نہیں ہونے دیا۔ اگر وہ ان دس، گیارہ یا بارہ سو بندوں کو

گرفتار کرا لیتے، قتل کروا دیتے تو حق پر تھے لیکن اس وقت کسی فرقے کی بنیاد کھ دی جاتی اور یہ الزام لگا دیا جاتا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ظالم تھے جس نے اعتراض کیا اس کا سر قلم کرا دیا۔ انہوں نے خلافت بھی چھین لی اور انہوں نے دین بھی خراب کر دیا یہ اس وقت بنیاد رکھ دی جاتی جو بعد میں کربلا میں رکھی گئی۔ وہ طاقت، اقتدار کس لیے تھا؟ اپنی جان کے لیے نہیں تھا، جان اس کے لیے تھی۔ وہ طاقت اللہ کی امانت تھی، خلافت اللہ کی امانت تھی، اقتدار اللہ کی امانت تھا فوجیں اللہ کی تھیں، اپنی حفاظت کے لیے لڑانے کے لیے نہیں تھیں اور اگر وہ اپنی حفاظت کرواتے تو انہیں حق حاصل تھا لیکن نتیجہ جو نکلتا وہ یہ ہوتا کہ وہیں سے ایک فرقہ ضالہ کی بنیاد پڑ جاتی۔

کتنا مشکل ہے کہ دین پر حرف نہ آئے، لاؤ لشکر بھی رہیں اور کم و بیش چالیس دن ان کے گھر کا پانی بند رہا۔ جس نے جب مسلمان مدینہ منورہ آئے تھے تو یہود کے پاس ایک کنواں تھا۔ جس میں پانی تھا اور مسلمانوں کو بہت مہنگا دیتے تھے یا دیتے ہی نہیں تھے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ہے جو یہودیوں سے کنواں خرید لے اور مسلمانوں کو دے دے اور اس کے بدلے مجھ سے جنت لے لے۔ تو یہی وہ شخص تھا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جس نے وہ کنواں یہودیوں سے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا خود اس کے گھر چالیس دن پانی کی بوند نہیں گئی۔ ساری سختیاں برداشت کیں اور بالآخر مظلوم شہید ہو گئے لیکن کسی کو دین پر اعتراض کرنے کا موقع نہیں دیا۔ آسان کام نہیں تھا!

یہی سازش چلتی رہی اور اسی کا شکار حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوئے۔ پہلے آپؓ ان کے خون کے دعوے دار بن گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے گورنر مقرر تھے، عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں بھی گورنر رہے ان کی شہادت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی گئی خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بنے۔ حضرت امیر معاویہ ایک بڑے صوبے کے گورنر تھے تو چونکہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے وارث تھے تو انہوں نے خون کا مطالبہ کیا اور ان کا مطالبہ یہ تھا کہ یہ دس گیارہ یا بارہ سو جو باغی ہیں ان سب کے سر قلم کیے جائیں۔ اقتدار و اختیار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا انہوں نے فرمایا نہیں، جو قاتل ثابت ہوگا اسے سزا دی جائے گی۔ کوئی ایک ہوگا، دو ہوں گے، چار ہوں گے، جس کی ضرب سے آپؓ شہید ہوئے جو قاتل ہوگا اسے سزا دی جائے گی۔ اس پر مقام صفین میں آپؓ روبرو بھی ہوئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے صوبے کا لشکر تھا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی تشریف لے گئے لیکن ان لشکروں کا عالم یہ تھا کہ لوگ نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھتے تھے اور کھانا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس کھاتے تھے۔ بعض صحابہؓ کا عالم یہ تھا کہ کسی نے پوچھا بھئی کہ یہ تو

> **ہر سپاہی نیزے پہ قرآن اُٹھا لے اور قرآن لے کر کھڑا ہو جائے۔ میں دیکھتا ہوں کہ کون تمہیں قتل کرتا ہے؟**

دونوں لشکر مقابلے میں پڑے ہیں آپ نماز ادھر پڑھتے ہیں کھانا ادھر کھاتے ہیں۔ فرمایا نماز وہ مزے کی پڑھاتے ہیں کھانا اس لنگر پہ مزے کا ہوتا ہے۔ پھر بات ہوئی بھئی بات کیا ہے؟ کس بات کا جھگڑا ہے؟ کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے منکر ہیں؟ فرمایا نہیں، خلیفہ برحق ہیں، میں آپؓ کا تابعدار ہوں، خلافت کا تو مسئلہ ہی نہیں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ امیر المؤمنین شہید ہوئے اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کے سربراہ کو ظلماً شہید کیا گیا اس بغاوت میں جتنے لوگ ہیں سب کو قتل کیا جائے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں، جو بات میں کہتا ہوں وہ حق ہے قتل وہی ہوگا جو قاتل ہے۔ بالآخر اسی بات پر صلح ہو گئی۔ جب صلح ہوئی تو کچھ وہی لوگ جو باغی تھے اور وہاں چھپے ہوئے تھے انہوں نے رات کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر پہ حملہ کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حملہ سمجھا جائے۔ جب انہیں علم ہوا تو انہوں نے حکم دیا سپاہیوں کو کہ ہر سپاہی نیزے پہ قرآن اُٹھا

لے اور قرآن لے کر کھڑے ہو جاؤ دیکھو کون تمہیں قتل کرتا ہے؟ کہ جب قرآن پہ فیصلہ ہو گیا لڑنے کی کیا بات ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو پتا چلا تو انہوں نے فرمایا یہ حکم کس نے دیا ہے چنانچہ ایک طبقہ جو لڑائی کروانے والا تھا وہاں سے الگ ہو گیا۔ جنہیں خارجی کے نام سے آپ جانتے ہیں۔ یہ وہی باغی تھے جو خارجی کہلائے اور بعد میں امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے مسئلہ بنے رہے اور آپؓ کی جنگیں ان سے ہوئیں اور انہیں ظالموں کے ہاتھوں حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے لیکن صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شام کا گورنر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بحال رکھا اور عہد علویؓ میں بھی گورنر شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ سریرائے خلافت ہوئے تو وہ شورش بڑھتی رہی کوئی چھ مہینے کے بعد آپؓ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ چچا یہ حکومت کا جنجال آپ سنبھالیے یہ مجھ سے قابو میں آنے والا نہیں، وہ خلافت سے دست بردار ہو گئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین بن گئے۔ کوئی لمبا عرصہ گورنری کے بعد انہیں اقتدار و اختیار منتقل ہو گیا۔ اب ان کے بعد ان کے وصال کے بعد ان کا بیٹا یزید باپ کے بعد بیٹا سربراہ مملکت بنا۔ اور اس کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ولی عہد نامزد بھی کر دیا تھا۔ اکابر صحابہؓ سے اپنی زندگی میں اس کے لیے عہد بھی لیا تھا لیکن وہ وقت وہ تھا جب قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لشکر بھیجا اس کا کمانڈر یزید تھا۔ اور یزید کے ماتحت لڑنے والوں میں حسنین کریمین رضی اللہ عنہم شامل تھے اور یہی یزید تھا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس معرکے میں شہید ہوئے تو انہوں نے حکم دیا انہوں نے وصیت کی کہ شہر کے جس قدر قریب ہو سکے قسطنطنیہ کے جتنا قریب ہو سکے مجھے دفن کیا جائے۔ چنانچہ لشکر اسلام ان کی میت لے کر شہر پناہ تک گیا شہر کی دیوار تک گیا اور شہر کی دیوار کے ساتھ دفن کر دیا تو قسطنطنیہ والوں نے کہا ہم یہ قبر اکھیڑ کر پھینک دیں گے۔ تو اس پر یزید نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ تم سلطنت اسلامیہ میں تمام گرجے گرا دو گے تم اس قبر کو چھیڑ کر دیکھنا۔ تو ریاست اسلامی جو افریقہ سے سائبیریا تک اور چین سے ہسپانیہ تک ہے اس میں کتنے گرجے ہیں کوئی ایک باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ کسی نے اسے چھیڑنے کی جرات نہیں کی قسطنطنیہ پر حملے اس لیے ہوتے رہے کہ نبی کریم ﷺ نے بشارت دی تھی کہ مسلمانوں کا جو لشکر قسطنطنیہ کو فتح کرے گا وہ سارے جنتی ہوں گے لیکن یہ بعد میں آ کر سلطان محمد فاتحؒ کے ہاتھوں فتح ہوا بہر حال ہر مسلمان نے کوشش کی اس بشارت پر۔

تو اس وقت یزید وہ تھا جس کے ماتحت حضرت حسین رضی اللہ عنہ لڑتے رہے پھر اس یزید سے اتنا شدید تصادم کس بات کی دلیل ہے۔ پھر کیا یزید کربلا میں موجود تھا؟ بہت سے لوگوں نے بیعت کر لی جن میں صحابہؓ بھی تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کیوں نہیں کی؟ کیا ریاست کا قانون بدل گیا تھا؟ وہی تھا جو خلافت راشدہ سے آ رہا تھا۔ وہی عدالتیں تھیں جو خلافت راشدہ سے آ رہی تھیں۔ وہی آئین و دستور تھا جو عہد نبوی ﷺ سے آ رہا تھا کیا کسی نے قرآن بدل دیا؟ قرآن بھی وہی مانا جا رہا ہے۔ نمازیں بھی وہی تھیں۔ روزے بھی وہی تھے۔ سب کچھ اگر وہی تھا تو کہا یہ جاتا ہے کہ یزید اچھا آدمی تھا پھر بعد میں اس کا کردار خراب ہو گیا۔ تو اس کا ذاتی کردار اگر خراب بھی ہو تو اس کی خرابی سے تو پورے ملک میں اتنی بڑی ریاست میں کوئی فرق پڑنے والا نہیں۔ جب آئین و دستور اسلامی پہ عمل ہو رہا ہے، عدالتیں اسلام کے مطابق فیصلے کر رہی ہیں، قانون سارا شریعت کا اور قرآن کا نافذ ہے تو پھر کیا ہے؟

یزید وہ شخص ہے جس نے پہلی بار اقتدار، فوج، طاقت، حکومت، اپنی سمجھ لی تھی اگر یہ فیصلہ، اگر یہ خیال، اگر یہ صورت حال، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوتی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ انہی سے لڑ چکے ہوتے۔ کم وبیش ایک لاکھ انتیس ہزار سالانہ وظیفہ تھا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

انہیں نواسہ رسول ﷺ سمجھ کران کی خدمت کے لیے ادا کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی اس پہ اعتراض نہیں کیا وہ تو وصول کرتے رہے کبھی ان کے ساتھ جنگ کا، تصادم کا خیال تک نہیں آتا۔ جب یزید سریر آرائے خلافت ہوا اور نام کو تو امیر المؤمنین بنا لیکن ایک بہت بڑی تبدیلی آئی کہ اس نے ریاست کو، سلطنت کو، اقتدار کو، اختیار کو، طاقت کو، فوج کو، اپنا سمجھ لیا تھا اور یہ پورا جو اسلامی تاریخ کا ایک تسلسل آرہا تھا۔ اس میں اتنی بڑی تبدیلی تھی جو کسی ایک فرد کے کافر ہونے جانے سے کہیں بہت بڑی تھی۔ ایک شخص اگر مرتد بھی ہو جاتا تو اسلام کا کیا بگڑتا؟ اللہ دس بندوں کو اور ہدایت دے دیتا۔ لیکن ایک طرز ریاست جو محمد رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا اس ڈگر سے پوری قوم کو ہٹانے کا، اس ریل گاڑی کو دوسری پٹڑی پر ڈالنے کا کام شروع ہو گیا تھا۔ جس کے آگے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے وہ ٹرین گزر گئی۔ سارا خانوادہ نبوی ﷺ خاک وخون میں لوٹ گیا، اس کے نیچے کرچی کرچی ہو گیا، لیکن تاریخ کو، زمانے کو، یہ بتا گیا کہ اسلام کیا ہے اور کس کے لیے ہے۔ کسی فرد واحد کی طاقت نہیں، کسی فرد واحد کی حکومت نہیں، کوئی فرعون نہیں مانا جائے گا، کسی فرد کے فیصلے نہیں مانیں جائیں گے۔ سارے فیصلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ہوں گے اور سربراہ سلطنت ان کا امین ہوگا، اور ان کی طرف سے فیصلے نافذ کرنا اس کی ذمہ داری ہوگی۔ اپنے فیصلے نافذ کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ یہ حقوق انسانی کا مسئلہ تھا۔

غیر مسلموں، ذمیوں کے، کافروں کے بھی انسانی حقوق تھے جو متاثر ہوتے تھے۔ یہ انسانیت کے حقوق کا مسئلہ تھا۔ جس کی قیمت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے چکائی اور ادا کی اور دونوں راستے واضح کر دیئے کہ حق کا راستہ کونسا ہے؟ اور باطل کی بنیاد کہاں سے پڑتی ہے؟ بڑے دُکھ کی بات تو یہ ہے کہ ہم نے واقعہ تو یاد رکھا ہمیں دُکھ ہوتا ہے چونکہ ہمیں خاندان نبوت ﷺ سے عشق ہے، پیار ہے، محبت ہے لیکن ہم نے کبھی یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کی کہ آخر انہوں نے اتنی بڑی قربانی کیوں دی اور اگر حقوق انسانی کے لیے دی تو کیا میں اور آپ حقوق انسانی غصب تو نہیں کر رہے؟ کیا ہم دوسروں کے حقوق کے لیے دفاع کرتے ہیں؟ اُن کی مدد کرتے ہیں؟ مظلوم کی مدد کرتے ہیں؟ ظالم کا ہاتھ روکتے ہیں یا ہم بھی ظالم سے وظیفے لے کر اُس کے لیے زندہ باد کے نعرے لگانے والوں میں ہیں؟

گزشتہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ چھپن برس گزر گئے۔ اسلام کے نام پر ہم نے ملک حاصل کیا اور ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ہی اسلام بن گیا ہے کہ اسلام نہیں نافذ ہو سکتا یہ بڑا کٹھن کام ہے۔ بھئی کیا مشکل ہے اسلام میں؟ کیوں نافذ نہیں ہو سکتا؟ ایک تو جی معاشی مشکل ہے۔ جی معاشی مشکل یہ ہے کہ سود بند کر دو تو امیر جو امیر تر ہو رہا ہے وہ رُک جائے غریب کو بھی کھانے کو مل جائے گا۔ تو امراء غریب کو کھانے کو دیں تو کل وہ اُن کے گریباں پکڑیں، وہ تو نہیں دیں گے۔ کہتے ہیں یہ غریب، غریب سے غریب تر ہوتا چلا جائے۔ اس لیے اسلام نافذ نہیں ہو سکتا سود ہم بند نہیں کرنا چاہتے۔ اسلام نافذ نہیں ہو سکتا کہ فرد واحد کی مرضی نہیں چلنے دیتا۔ سارے لاؤ لشکر، سارے سرکاری وسائل، ساری فوجیں، ساری حکومت، سارے خزانے، ایک شخص کی حفاظت کے لیے اور اُس کی صوابدید کے لیے ہیں۔ باقی کسی کا کچھ نہیں جو سر اُٹھائے اُس کا سر قلم کر دو جو بات کرے اُس کی زبان کاٹ دو۔

میں نہیں کہتا آپ فیصلہ کریں کیا یہ حسینیت ؓ ہے یا یزیدیت ہے؟ بڑے بڑے جبہ و دستار اور عمامے باندھے ہوئے عصا اُٹھائے ہوئے جو لوگ زندہ باد کے نعرے لگا رہے ہیں یہ کس لشکر میں ہیں؟ کس صف میں کھڑے ہیں؟ اور ہم جو یا تو کوئی مجلس پڑھا کر یا جا کر ماتم کر کے یا گھر میں دیگ پکا کر بے فکر ہو جاتے ہیں کہ ہم نے اُس قربانی کربلا کا حق ادا کر دیا؟ بس اتنی سی بات تھی یہ جو چند مسکینوں میں چاول پکا کر بانٹ دو، یا چند لوگوں کو حلوہ کھلا دو، یا ختم قرآن مجید کے کر دو، پھر گلی میں جمع ہو کر شور شرابا کر کے رو پیٹ کے گھر چلے جاؤ قصہ ختم ہو گیا۔ کیا یہ مقصد تھا اتنی بڑی عظیم قربانی کا؟ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ آقا نامدار ﷺ

کے خون کی اہمیت اور عظمت کیا ہے؟

اللہ کا رسول ﷺ جو جوتا پہنتا ہے وہ جوتا ذاکر ہو جاتا ہے اُس کی نس نس سے اللہ کا نام نکلتا ہے، وہ منور ہو جاتا ہے، جو کپڑا پہنتا ہے وہ منور ہو جاتا ہے، جس سواری پہ بیٹھتا ہے وہ جانور دُنیا کے جانوروں سے سرفراز ہو جاتا ہے، جس زمین پہ قدم رکھتا ہے زمین کا وہ چپہ چپہ دوسری زمین سے اس طرح ہو جاتا ہے جس طرح آسمان پر چاند۔ اور اللہ کا وہ رسول ﷺ جس پر شجر و حجر درود پڑھتے ہیں جس طرف رُخ فرماتے ہیں پتھر بھی صلوٰۃ والسلام پڑھتے ہیں، درخت بھی صلوٰۃ والسلام پڑھتے ہیں، اللہ کا وہ رسول ﷺ جس کے در پر فرشتے آتے ہیں تو اندر آنے کی اجازت لیتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ دُنیا سے وصال فرمانے والے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گود میں ہیں اور سر مُبارک اُن کے سینہ پاک پر رکھا ہوا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا صاحبزادی رسول ﷺ جگر گوشہ رسول ﷺ پاس ہیں اور گلی سے آواز آتی ہے یارسول اللہ ﷺ اندر آنے کی اجازت ہے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جھڑک دیا کون ہے؟ دیکھ نہیں رہے ہو اللہ کے رسول ﷺ تکلیف میں ہیں، آپ ﷺ کی طبیعت ناساز ہے، تو کون ہے اجازت لینے والا۔ تو حضور ﷺ فرماتے ہیں بیٹا یہ تیرے باپ کا دروازہ ہے ورنہ یہ کسی سے پوچھ کر نہیں جاتا، پوچھنے والا ملک الموت ہے اور یہ تیرے بابا کا دروازہ ہے جہاں سے اجازت لے رہا ہے۔

اب اللہ کے ایسے بندوں کو جو اُس گھر کے باسی ہوں، لب دریا ظلم سے، جور سے، بھوکا پیاسا بے کس بنا کر شہید کر دیا جائے۔ کیا وہ شہید ہوتے؟ اگر بات مان لیتے اور لوگوں نے بھی مان لی تھی وہ بھی بیعت کر لیتے اگر وہ بھی بیعت کر لیتے تو بات یہ ہوتی کہ خیر ہے جو بھی چاہے اور جو چاہے ٹھیک ہے، کلمہ پڑھتا رہے، نماز پڑھتا رہے، بس اسلام کو کوئی خطرہ نہیں، ٹھیک ہے۔ اسلام ذاتی کلمے، نماز، روزے کا نام نہیں ہے اسلام اللہ کی مخلوق کے ساتھ تعلقات کا نام ہے! اللہ کے ساتھ تعلق، اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ تعلق اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ تعلق کا نام اسلام ہے۔ اللہ کے ساتھ ایمان کا اور عبادت کا تعلق ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایمان اور اطاعت کا تعلق ہے، مخلوق کے ساتھ حق و انصاف کا تعلق ہے! جہاں بھی جو چیز بھی گرے گی اسلام کا ستون گر جائے گا۔ اللہ سے تعلق تو لوگ زبانی دعویٰ کر کے ہی بنا لیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں میں اللہ کو مانتا ہوں۔ اللہ جانے اور ماننے والا جانے۔ کسی کو کیا خبر ہے؟ مانتا ہے نہیں مانتا۔ ہم نمازیں پڑھ لیتے ہیں کیا خبر ہے دل سے پڑھ رہا ہے یا دکھاوے کی پڑھ رہا ہے۔ ہم نبی کریم ﷺ جیسا حلیہ بنا لیتے ہیں کیا خبر دل سے بنایا، محبت سے بنایا یا رواجاً بنایا۔ اگر چہ اب عبادتیں بھی کم ہو رہی ہیں، نمازیں بھی چھوٹ رہی ہیں، سنتیں بھی چھوٹ رہی ہیں لیکن پھر بھی اس میں تو کوئی مشکل نہیں لیکن جب معاملہ اللہ کی مخلوق سے آتا ہے تو ہر وہ بندہ جس سے آپ معاملہ کرتے ہیں وہ جج بن جاتا ہے کہ یہ میرے ساتھ کیا کر رہے ہو؟ اگر اس کو نکال دو تو باقی اسلام کیا بچا؟ یہ وہ بات تھی جسے قائم رکھنے کے لیے نواسہ رسول ﷺ نے پورا خاندان نبوت ﷺ قربان کر دیا۔ کیا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یہ نہ سوچا ہوگا کہ روزِ حشر آقائے نامدار ﷺ مجھ سے بھی پوچھ بیٹھیں گے کہ تم نے میری بچیوں کو کیوں رُلایا؟ کیوں انہیں صحراؤں کی خاک چھنائی؟ اور تم نے میرے جگر گوشوں کو کیوں نوک سناں پہ چڑھایا تم کون ہوتے ہو؟ مان لیتے تم۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس جواب ہوگا سوائے اس کے کہ دو ہی باتیں تھیں یا خون نبوت ﷺ بہہ کر یہ لکھ دیتا کہ حق حق ہے اور باطل باطل ہے اور باطل کی اطاعت نہیں کی جائے گی اور یا ہم باطل کو دندنانے کا موقع دے دیتے۔ قربانی کربلا نے قیامت تک یہ تحریر لکھ دی کہ جو شخص بھی اپنی من مانی کی حکومت کرے گا اُس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اسلام اُسی کی اطاعت کا حکم دے گا۔ جو اللہ کا قانون نافذ کرے گا، اور اللہ کی کتاب کا قانون نافذ کرے گا۔ بڑے بڑے علماء، بڑے بڑے فضلا، عہد حاضر کے بڑے بڑے مجتہد اور دینی رہنما

لاکھوں روپوں کے فنڈز تو لے رہے ہیں، کروڑوں روپے تو اسمبلی پہ خرچ ہو رہے ہیں، وردی پہ تو اعتراض ہے، ایل ایف او پہ تو اعتراض ہے، نظام اسلام کے لیے تو کوئی بات بھی نہیں کرتا۔ اور اس میدان کو میدان کربلا سمجھا جائے تو مجھے گن کر بتائیے ملک میں حسینؓ کتنے ہیں؟ کون سی سیاسی جماعت، کونسی دینی جماعت، کونسے علامہ صاحب، کون ہیں آج حسین رضی اللہ عنہ کی صف میں!

اور یہ ڈھول بجانے سے، مرثیے پڑھنے سے، دیگیں پکانے سے بات نہیں بنے گی اس کا مطلب ہے کہ ہم نے اُس قربانی کی اہمیت کو سمجھنے کا تکلف ہی نہیں کیا۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے کم از کم اپنے اس ایک وجود کو تو سیدھا کر سکتے ہیں۔ ہم تو یزید نہ بنیں، یہاں تو ہر فرد میں کسی میں چھوٹا، کسی میں بڑا، یزید چھپا بیٹھا ہے! جس کو جو ملتا ہے کسی کا چھین لیتا ہے، جس کسی کی عزت قابو آتی ہے لوٹ لیتا ہے۔ تو کربلا ایک واقعہ ہے، حادثہ نہیں ہے میں یہاں سے سڑک پر نکلتا ہوں گاڑی آتی ہے ٹکر لگتی ہے مر گئے، یہ حادثہ ہے۔ ایک گاڑی کو روکنے کے لیے سینہ تان کے کھڑا ہو جاتا ہوں کہ نہیں گزرنے دوں گا اور وہ اوپر سے گزر جاتی ہے۔ یہ حادثہ نہیں یہ ایک واقعہ ہے۔ اس میں کسی کا کوئی جذبہ ہے، کچھ جذبات ہیں، کوئی بات ہے، کسی چیز نے اُسے کھڑا ہونے پہ مجبور کر دیا، کربلا سانحہ نہیں ہے، حادثہ نہیں ہے، واقعہ ہے عمداً جان بوجھ کر بیعت کر لیتے جھگڑا ختم ہو جاتا کیوں نہیں کی؟ اس لیے نہیں کہ اس عالم میں، اس سوچ کے بندے کی بیعت نہیں کروں گا اگر میں بھی بیعت کر لوں تو قیامت تک لوگ مَن مانیاں کرنے کا ایک دروازہ کھول دیں گے۔ یہ بات نہیں مانی جائے گی آج اللہ کی کون سنتا ہے، کون نبی ﷺ کے فرمان کو مانتا ہے، کون دین کی پرواہ کرتا ہے، اور کون اُسے روکنے والا ہے!

ہاں! بس قوم نے آسان سا راستہ اپنا لیا۔ کسی نے مرثیے پڑھے، کسی نے دوہڑے پڑھے، کسی نے سینہ کوبی کر لی، کسی نے دیگ پکا لی، کسی نے حلوہ پکا لیا، کسی نے روزہ رکھ لیا اور عید کی طرح ایک یوم عاشورہ منا کر سارے جنتی ہو کر چلے گئے، ہر کوئی سمجھتا ہے میں نے جنت خرید لی ہے۔ بھئی جنت اُس کی اپنی ہے مفت میں دے اور سب کو دے۔ ہم تو کہتے ہیں سب کو دے کہ اتنی مخلوق نہیں ہے جتنی وسیع اُس کی جنت ہے اور سب کو بے حساب دے۔ پھر بھی اُس کی رحمت ختم نہیں ہوتی۔ اُس کی کوئی حد نہیں ہے۔ دے سب کو دے ہمیں کیا اعتراض ہے؟ لیکن اُس کا اپنا فیصلہ ہے کہ راستہ ایک ہی ہے جو محمد رسول ﷺ کے قدموں سے ہو کر گزرتا ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ مقابلہ کے لیے آؤ گے تو پھر جنت کا راستہ نہیں پاؤ گے۔ غلامی اور اطاعت کا ایک ہی راستہ ہے۔

میرے بھائی! محرم تو ہر سال آتا ہے۔ ہنگامے بھی ہر سال ہوتے ہیں لیکن کیا کوئی ایسا سال بھی آئے گا، جو نتیجہ خیز بھی ہو گا۔ کسی تبدیلی کا سبب بھی بنے گا۔ ایک بات آپ کو میں بتا دوں کہ ایسا سال ضرور آئے گا اور جگہ جگہ کربلائیں سجیں گی اور بڑا خون بہے گا۔ حق غالب آئے گا اور باطل کو منہ کی کھانی پڑے گی یہ طے ہے کہ انشاء اللہ ایسا ہو گا اب کون کس طرف ہے یہ ہمیں دیکھنا ہے کہ ہم کس صف میں ہیں۔ حسن نثار نے ایک شعر کہا تھا کہ

میرا حسینؓ ابھی کربلا نہیں پہنچا
میں حُر ہوں اور لشکر یزید میں ہوں

حضرت حُر رضی اللہ عنہ عین کربلا میں کوفیوں کا لشکر چھوڑ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہو گئے اور اُن کے ساتھ شہید ہو گئے۔ تو اُس نے کہا میں حُرؓ ہوں مگر لشکر یزید میں ہوں۔ تو میں نے ایک شعر کہا تھا۔

میرا حسینؓ سدا کربلا میں رہتا ہے

کربلا کوئی ایسا واقعہ نہیں کہ یہ تو ہر ہر لمحہ بپا ہے۔ ہر ہر لمحہ زندگی کا کربلا ہے کہ آپ کس طرف جا رہے ہیں؟

میرا حسینؓ سدا کربلا میں رہتا ہے
میں حُرؓ ہوں کسی یزید کا غلام نہیں

تو محترم یہ چونکہ سارے احباب لکھتے ہیں۔ شاید اگلے دن میں نے بھی کچھ لکھا تھا چلو اسی پہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے اسے مرثیہ پڑھیں، مدح پڑھیں، اسے تاریخ پڑھیں، ثنا پڑھیں، تاریخ سمجھیں، جو بھی ہے اس پہ بات کو ختم کرتے ہیں کہ

ظلمت شب بڑھتی ہی جاتی ہے الٰہی
ہو کرم تیرا اب تو ہمیں صبح جلی دے
پُر خار ہوا چاہتا ہے ہر سر و سمن تک
مہکے گا گلستان جو طیبہ کی کلی دے
مالی تھے کبھی آج وہ گلچین ہوئے ہیں
اس دیس میں اب ایک مدینہ کی گلی دے
اس عہد کے فرعون وہ فرعون نہیں ہیں
چاہیے نہ عصا یہاں تو صرف ایک ڈلی دے
ہر روپ میں ہر سمت ہی اِک کرب و بلا ہے
اس آس پہ زندہ ہیں کہ عباس ولی دے
ہے لشکر کوفی تو آمادہ پیکار
دے ہم کو خدایا تو حسینؓ ابن علیؓ دے
وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

دعائے مغفرت

1) عبدالحکیم ضلع خانیوال سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ڈاکٹر محمد عابد فاروقی و محمد اسرار کی والدہ محترمہ۔
2) دینہ، جہلم سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ظہور احمد کے والد محترم۔
3) دینہ مفتیاں ضلع جہلم سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی میاں عبدالخالق۔
6) لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد لطیف کے والد محترم۔
4) سمندری، فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی خواجہ امین الدین بٹ۔
5) منصور آباد، فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد ریاض کے والد محترم۔
7) لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد ایوب کی والدہ محترمہ۔
8) کوہاٹ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی میجر رشید گل کی اہلیہ۔
9) سرگودھا سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد رضا کے والد محترم۔

وفات پا گئے ہیں۔ دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

طب

شہد (Honey)

حکیم ملک عبدالساجد اعوان

جدید ریسرچ۔
چین کے ایک دواساز ادارے (پیکنگ کیمیکل اینڈ فارماسوٹیکل ورکس) نے شہد سے پیکنگ رائل جیلی کے نام سے خالص مشروب اور انجیکشن تیار کیے ہیں۔ وہ اس کو درج ذیل امراض میں استعمال کرواتے ہیں۔
1۔ جب وزن روز بروز کم ہو رہا ہو۔ جب بھوک اڑ جائے۔ بیماری سے اٹھنے یا زچگی کے بعد کمزوری پیدا ہو۔
2۔ عام جسمانی کمزوری، دماغی اور جسمانی تھکن۔
3۔ پیچیدہ اور پرانی بیماریوں میں وریدوں کی سوزش اور ان میں خون کا انجماد، جوڑوں کی بیماریاں اور گنٹھیا۔
ڈاکٹر خالد غزنوی نے اپنی کتاب طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس میں بڑی ریسرچ کے ساتھ شہد کے بارے میں لکھا ہے اور اپنی اس کتاب میں مختلف احادیث مبارکہ کا حوالہ دے کر اس کی اہمیت کو مزید اجاگر کرتے ہیں۔ کہ سیدنا عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہے۔ کہ آپ ﷺ نے پینے والی چیزوں میں سب سے زیادہ شہد کو پسند کیا۔ اور اپنی زندگی میں روزانہ شہد کو استعمال کیا اور آپ ﷺ ہمیشہ تندرست رہے۔ (بخاری شریف)
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ کہ تمہارے لیے شفاء کے دو مظہر ہیں شہد اور قرآن۔ (ابن ماجہ)
حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہے۔ کہ نبی ﷺ نے فرمایا کے تمہاری دواؤں میں سے کسی چیز میں بھلائی کا اگر کوئی عنصر ہے۔ تو وہ پچھنے لگانے اور شہد پینے میں ہے۔
حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہے۔ کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ خاصرہ گردے کا ایک اہم حصہ ہے۔ جب اس میں سوزش ہو جائے۔ تو گردے والے کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اس کا علاج جلے ہوئے پانی اور شہد سے کیا جائے۔ (ابوداؤد)
خاصرہ سے مراد گردے کا بطن ہے۔ جسے طب میں PELVIS کہتے ہیں۔ محدثین نے جلے ہوئے پانی سے مراد ابلا ہوا پانی لیا ہے۔ مگر صحابہ اکرامؓ نے سنت کی پیروی میں ہمیشہ بارش کا پانی استعمال کیا ہے۔
حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا اپنی حلال کی کمائی کے درہم سے شہد خرید کر اسے بارش کے پانی میں ملا کر پینا تقریباً سبھی بیماریوں کا علاج ہے۔ (مسند فردوس)

(جاری ہے)

خواتین کا صفحہ

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ خطاب

ام فاران، راولپنڈی

نام ونسب: آپؓ کا نام فاطمہ رضی اللہ عنہا اور کنیت اُم جمیل تھی۔ باپ کا نام خطاب بن نفیل تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ آپؓ کا قبیلہ بنو عدی تھا۔ اوپر جا کر آپؓ کا سلسلہ نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔

نکاح: آپؓ کی شادی حضرت سعید بن زیدؓ سے ہوئی جو کہ جلیل القدر صحابی تھے اور ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جنہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ برحق سے جنت کی بشارت ملی۔

(عظیم خواتین اسلام)

قبول اسلام: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپؓ کے شوہر اپنی فطرتِ سعید کے باعث آغازِ اسلام میں ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ اصحابِ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ان سے پہلے گنتی کے چند لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تھے۔

☆ ایک روایت کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ستائیسویں نمبر پر اور حضرت سعید رضی اللہ عنہ اٹھائیسویں نمبر پر ایمان لانے والے مومن تھے، گویا آپؓ دونوں السابقون الاولون میں شامل ہیں۔

(تذکارِ صحابیاتؓ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کا اُمِ جمیل پر اعتماد:

بعثت کے ابتدائی دور میں جب زمین اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود مومنین پر بہت تنگ ہو چکی تھی اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی حفاظت کی فکر رہتی تھی کہ کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن بن چکے تھے۔ تب کا واقعہ ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے جانثاروں کے ہمراہ کعبہ شریف تشریف لے گئے، جہاں اس وقت قریش جمع تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے لوگوں کے سامنے دردمندانہ تقریر کی اور قبولِ حق کی دعوت دی۔ ہجوم کفار مشتعل ہو کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور نہایت بے دردی سے مارنے پیٹنے لگے۔ خصوصاً حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بہت زدوکوب کیا کہ ان کا چہرہ پہچاننے کے لائق نہ رہا اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوطالب کی وجاہت اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زوجیت کا لحاظ کر کے پیچھے دھکیل دیا۔

کفار، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مار ہی ڈالتے کہ قبیلہ بنی تمیم کو خبر ہوئی اور وہ بھاگتے ہوئے پہنچے اور انہیں چھڑایا۔ ان کا جانبر ہونا مشکل نظر آ رہا تھا۔ جس کے باعث انہوں نے اعلان کیا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو وہ قریش سے بدلہ لیں گے، اس کے بعد انہیں اُٹھا کر ان کے گھر لے گئے۔

بنو تمیم اور اہل خانہ کی کوششوں سے بہت دیر کے بعد ہوش میں آئے۔ جب بات کرنے کے قابل ہوئے تو پہلے لفظ زبان سے یہ نکلے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کا کیا حال ہے؟ وہ خیریت سے ہیں؟

جس پر سب قبیلے والے برافروختہ ہو کر طعنے دینے لگے کہ اس حال میں بھی اس شخص کا خیال نہیں چھوڑتے اور ناراض ہو کر چل دیئے۔ والدہ اُم الخیر نے بہت اصرار کیا کہ کچھ کھائیں پئیں، لیکن وہ برابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت دریافت کرتے رہے۔ والدہ ابھی تک ایمان نہیں لائیں تھیں، ہر بار یہی کہتیں ''واللہ! مجھے تمہارے ساتھی کی کچھ خبر نہیں''، بالآخر انہوں نے والدہ کو اُم جمیل رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

حال دریافت کریں۔ وہ اُسی وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (اُم جمیلؓ) کے پاس پہنچیں، سب معاملہ بتایا لیکن اُم جمیل رضی اللہ عنہا نے انہیں کچھ نہ بتایا۔ البتہ ان کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچیں، اُن کی حالت دیکھ کر بے قرار ہو اُٹھیں اور بولیں "خدا کی قسم جن لوگوں نے آپؓ کی یہ حالت کی وہ کافر اور فاسق ہیں، مجھے اُمید ہے اللہ ضرور ان سے آپؓ کا بدلہ لے گا۔"

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کچھ کھانے پینے کی التجا کی لیکن اُن کا جواب اب بھی وہی تھا، پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بتاؤ۔ اُم جمیل رضی اللہ عنہا نے کہا "لیکن آپؓ کی ماں سن لیں گی"۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا "تم ان سے کوئی خطرہ محسوس نہ کرو"۔ اُم جمیل رضی اللہ عنہا نے کہا "آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں اور دارِ ارقم میں موجود ہیں"۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تسلی نہ ہو سکی فرمایا: "خدا کی قسم! جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ لوں گا کچھ نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔"

سب لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خبر گیری کے لیے آ جا رہے تھے، جب آمد و رفت ختم ہوئی تو دونوں خواتین آپؓ کو سہارا دیتی ہوئی دارِ ارقم لے گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کی یہ حالت دیکھی تو آبدیدہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے التماس کی کہ میری والدہ محترمہ کے لیے دعا فرمایئے کہ ایمان لے آئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور وہ ایمان لے آئیں۔

(تذکارِ صحابیات)

ثابت قدمی:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نہایت ثابت قدم اور راسخ العقیدہ مسلمان تھیں۔ ان کے اخلاص فی الدین کی بدولت ایک ایسی ہستی دائرہ اسلام میں داخل ہوئی، جس نے آگے چل کر دُنیا بھر میں اسلام کا ڈنکا بجا دیا اور یہ ہستی ان کے بھائی فاروقِ اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔

یہ واقعہ نہایت تفصیل کے ساتھ ابن اسحاقؒ، ابو یعلیٰؒ، بیہقیؒ، دار قطنیؒ اور کئی دوسرے اہل سیر نے تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام:

ابو جہل کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کے باعث حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جوشِ حمیت میں آ کر ابو جہل کے سر میں اس زور سے کمان ماری کہ وہ زخمی ہو گیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ شاید وہ اپنے دین سے منحرف ہو گئے ہیں تو انہوں نے للکار کر کہا "اگر ہو گیا ہوں تو مجھے کون روک سکتا ہے" اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور کہا "بھتیجے میں نے ابو جہل سے تمہارا بدلہ لے لیا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عم محترم مجھے خوشی تب ہو گی جب آپ دینِ حق قبول کریں گے"۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ رقت آمیز لہجے میں بولے "جانِ عم! میں گواہی دیتا ہوں تمہارا دین برحق ہے" اور کلمہ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں آ گئے۔ اس واقع سے جہاں مسلمانوں کو تقویت ملی وہاں کفار میں بے چینی پھیل گئی۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام:

ابو جہل نے کفار کے اجتماع عام سے خطاب کرتے ہوئے للکارا کہ ہے کوئی جواں مرد جو تلوار کی قسم کھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کرے گا، اس نے بھاری انعام کا بھی وعدہ کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مجلس میں موجود تھے۔ بڑے شجاع، زور آور اور پُرجوش تھے، پکار اُٹھے "لات و عزیٰ کی قسم جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل نہ کر لوں، زمین پر نہ بیٹھوں گا۔"

تلوار اُٹھائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو بجھانے کے لیے دارِ ارقم کی طرف چل پڑے۔ راستے میں حضرت نعیم بن عبداللہؓ سے ملاقات ہوئی جو در پردہ مسلمان ہو چکے تھے۔ انہوں نے پوچھا "اے عمرؓ! آج شمشیر بکف کہاں جا رہے ہو؟"

انہوں نے ارادہ ظاہر کیا تو حضرت نعیمؓ نے انہیں روکنے کی کوشش کی اور بنو ہاشم کی امارت اور ریاست کا خوف دلایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مزید غضبناک ہو گئے اور بولے "لگتا ہے تم بھی اپنے آبائی مذہب سے پھر چکے ہو، پہلے تمہیں ہی مزہ چکھادوں۔"

حضرت نعیمؓ بولے! "پہلے ذرا اپنے گھر کی تو خبر لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں، میری نسبت تم پر ان کا زیادہ حق ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر آپے سے باہر ہو گئے اور سیدھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب کے دروازے پر پہنچے۔ دروازہ اندر سے بند تھا، ان کے گھر میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ بن الارت موجود تھے، جن کے پاس ایک صحیفے پر سورۃ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر کو اس کی تعلیم دے رہے تھے۔

حضرت نے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ بھائی ہے، انہوں نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو گھر کے پچھلے حصے میں دھکیل دیا اور قرآن کے اجزاء چھپا دیئے۔ دروازہ کھولا، حضرت تیزی سے داخل ہوئے اور پوچھا "یہ کیسی آواز تھی جو میں نے ابھی سنی؟" میاں بیوی نے انکار کیا تو بولے "میں جان چکا ہوں کہ تم دونوں نے محمد ﷺ کا دین اختیار کر لیا ہے۔"

یہ کہہ کر بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا شوہر کو بچانے کے لیے آگے بڑھیں تو لکڑی کا وار ان کے سر پر پڑا اور خون کے فوارے پھوٹنے لگے۔ اسی حالت میں میاں بیوی ہم زبان ہو کر بولے "ہاں ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے تم جو کر سکتے ہو کر لو لیکن ہم کبھی دین حق کو نہیں چھوڑیں گے۔"

ایک اور روایت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ نقل ہیں۔ "کیوں بہن کو بیوہ کرتے ہو، بیشک مجھے ہلاک کر ڈالو لیکن دین حق اب دل سے نہیں نکل سکتا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مبہوت رہ گئے اور غصہ ندامت میں بدل گیا۔ تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے پھر بولے "اچھا تم جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی دکھاؤ۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا "ہمیں اندیشہ ہے تم اسے ضائع کر دو گے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے "میرے معبودوں کی قسم! تم اندیشہ نہ کرو میں اسے پڑھ کر واپس کر دوں گا۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا "ہم اللہ کا کلام پڑھ رہے تھے لیکن اس کو صرف پاک لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ جب تک تم غسل نہ کر لو اس کو چھو نہیں سکتے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُٹھ کر غسل کیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی صحیفہ ان کے ہاتھ میں دے دیا، اس خیال سے کہ شائد بھائی کے دل پر کلامِ الٰہی کا اثر ہو جائے اور وہی ہوا۔ کلامِ الٰہی کا پڑھنا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا، جوں جوں تلاوت کرتے جاتے مسحور ہوتے جاتے، ان پہ ایسی رقت طاری ہوئی کہ پکار اُٹھے "ما احسن الکلام" "کس قدر پیارا کلام ہے"۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ باہر نکل آئے اور جوشِ مسرت سے بولے، اے عمر! مبارک ہو۔ حضور ﷺ کی دُعا تیرے حق میں قبول ہوئی۔ حضور ﷺ نے کل ہی دُعا مانگی تھی کہ الٰہی عمر بن ہشام (ابوجہل) اور عمر بن خطابؓ میں سے جس کو تو چاہتا ہے اسلام میں داخل فرما۔"

پھر حضرت خبابؓ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی درخواست پر انہیں لے کر دارِ ارقم کی جانب روانہ ہوئے۔ تلوار ابھی تک عمر کے ساتھ لٹک رہی تھی۔ صحابہؓ کو دروازہ کھولنے میں تامل ہوا تو حمزہ رضی اللہ عنہ نے کڑک کر کہا "دروازہ کھول دو، اگر نیک ارادے سے آیا ہے تو بہتر ورنہ اس کا سر اسی کی تلوار سے اُڑا دوں گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے تابانہ داخل ہوئے "حضور ﷺ نے پوچھا، عمرؓ کس نیت سے آئے ہو؟" ادب سے سر جھکا کر بولے "میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے آیا ہوں" جوشِ مسرت سے مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ مکہ کی پہاڑیاں بھی گونج اُٹھیں۔

بخاری شریف میں یہ واقعہ تھوڑے فرق کے ساتھ آیا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہن اور بہنوئی کے

قبولِ اسلام کا علم تھا اور وہ انہیں باندھ دیا کرتے تھے۔

صحیح بخاری کے "کتاب المناقب" میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب مظلومانہ طور سے شہید ہوئے تو اس زمانے میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے کا قیام کوفہ میں تھا۔ انہیں اس کا سخت رنج ہوا۔ انہوں نے کوفہ کی مسجد میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، "لوگو! خدا کی قسم میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ اسلام لانے کے جرم میں عمر رضی اللہ عنہ مجھے اور اپنی بہن کو باندھ دیا کرتے تھے جبکہ وہ خود ابھی اسلام نہیں لائے تھے، اور تم نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو بدسلوکیاں کی ہیں، ان کی وجہ سے کوہِ احد پھٹ جائے تو اس کا پھٹ جانا بجا ہے۔"

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسلام لانے سے پہلے بھی ان پر کبھی کبھی سختی کیا کرتے تھے۔ یہی سختی حد سے تجاوز کر گئی اور ان کے ایمان لانے کا سبب بنی۔ (تذکارِ صحابیات)

ہجرت: آپؓ نے اپنے شوہر کے ساتھ ہی ہجرت کی اور اولین مہاجرین کے ساتھ مدینہ پہنچیں اور حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام کیا۔

وفات: "درِ منثور" میں ہے کہ آپؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہی دورِ خلافت میں وفات پائی۔ اکثر اہلِ سیر نے ان زمانہ وفات سے لاعلمی ظاہر کی ہے۔

اولاد: ابن کثیر کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے پیچھے ایک لڑکا چھوڑا، جس کا نام عبدالرحمن تھا۔

حافظ عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ ان کے چار بیٹے ہیں: عبداللہ، عبدالرحمن، زید اور اسود۔

اخلاق: اہلِ سیر لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنتِ خطاب، علم و فضل کے لحاظ سے بڑے بلند مرتبہ پر فائز تھیں۔ وہ نہایت عقلمند تھیں۔ نیک کاموں میں پیش پیش رہتی تھیں۔ شر سے کراہت تھی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی پابند تھیں۔

☆ حضرت اُم جمیل فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب کے اس سے زیادہ حالات کتب سیر میں نہیں ملتے۔

(بقیہ: بچوں کا صفحہ: صفحہ نمبر 48)

۵۔ مساوات: لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے، تمہارے باپ (آدمؑ) ایک ہیں، عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ کے سبب۔

۶۔ جان و مال کا احترام: لوگو! تمہاری جان، تمہارے مال اور تماری عزتیں ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے آج کے دن، اس شہر کی اور اس مہینے کی حرمت کرتے ہو۔

۷۔ امانت کی تاکید: اگر کسی کے پاس امانت ہو تو وہ اس کے مالک کو پوری پوری لوٹا دے۔

۸۔ عورتوں کے حقوق: لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو، ان پر لازم ہے کہ وہ تمہاری خواب گاہوں میں تمہارے علاوہ کسی کو نہ آنے دیں اور کسی بے حیائی کا ارتکاب نہ کریں۔ تمہارے ذمے دستور کے مطابق ان کا نان نفقہ ہے۔ یقیناً خواتین تمہارے زیرِ نگین ہیں، ان کے معاملے میں اللہ سے ڈرنا۔

۹۔ غلاموں کے حقوق: اپنے غلاموں کا خیال رکھو، جو خود کھاؤ، وہی انہیں کھلاؤ اور جو خود پہنو، وہ انہیں پہننے کو دو۔

۱۰۔ وارثوں کے حقوق: اللہ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے، اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔

۱۱۔ سود کی حرمت: اللہ نے سود کو حرام قرار دیا ہے، جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے ہیں، سب سے پہلے میں ﷺ اپنے چچا عباسؓ بن عبدالمطلبؓ کا سود ختم کرتا ہوں۔

۱۲۔ جاہلیت کے خون: جاہلیت کے تمام خون معاف کیے جاتے ہیں، سب سے پہلے میں ﷺ اپنے خاندان کے فرد ربیعہؓ بن حارثؓ بن عبدالمطلبؓ کا خون معاف فرماتا ہوں۔

۱۳۔ اطاعت امیر: اگر کٹی ہوئی ناک کا حبشی، امیر ہو اور تمہیں کتاب اللہ کے مطابق حکم دے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔

۱۴۔ گمراہی سے بچنے کا طریقہ: لوگو! میں ﷺ تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم نے ان کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے، وہ چیزیں کیا ہیں؟ وہ ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ۔

(جاری ہے)

بچوں کا صفحہ

قسط نمبر 15

خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ع خان، لاہور

صلح کے بعد تین دن تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ میں قیام فرمایا۔ پھر روانہ ہوئے تو راہ میں سورہ فتح کی اس آیتِ مبارکہ کا نزول ہوا۔ اِنَّآ فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (الفتح:1)

صلح حدیبیہ کے مصالح:

صلح حدیبیہ سے پہلے تک مسلمان اور کفارِ مکہ آپس میں ملتے جلتے نہ تھے، اب صلح کی وجہ سے آمدورفت شروع ہوئی، خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفارِ مکہ، مدینہ آتے۔ کئی کئی ماہ قیام کرتے اور مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے۔ باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا۔ یوں بھی جب ان کا واسطہ صحابہ کرامؓ سے پڑتا جو کہ صحیح معنوں میں سچے مسلمان تھے (کردار میں بہترین، معاملات میں بہترین) تو ان کے دل میں اسلام کی خوبصورتی اور عظمت گھر کرنے لگی اور وہ خود بخود اسلام کی طرف کھچے چلے آنے لگے۔ تاریخ دان لکھتے ہیں کہ معاہدہ صلح حدیبیہ کے بعد سے فتحِ مکہ تک اس قدر لوگ اسلام لائے کہ اس سے پہلے یہ تعداد اس تیزی سے نہ بڑھی تھی۔

اب وقت تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ سلاطین و امراء عالم کی طرف تبلیغی دعوت نامے بھیجے جائیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا تو عرض کی گئی کہ سلاطین اس وقت تک کسی خط کو نہیں پڑھتے جب تک کہ اس پر بھیجنے والے کی مہر نہ ہو۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چاندی کی انگوٹھی مبارک بنوائی جس پر تین سطروں میں اپنا نام مبارک کندہ کروایا۔ یہ تینوں سطریں نیچے سے اوپر کو پڑھی جاتی ہیں۔ یہ انگوٹھی مبارک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں رہی، بعد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ مبارک پہ رہی۔ جس سال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اس سال یہ انگوٹھی اریس کنویں میں گر گئی۔ جسے صحابہ کرامؓ تین دن تک تلاش کرتے رہے مگر وہ نہ مل سکی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن سلاطین و امراء کے نام خط مبارک ارسال فرمائے، ان کے نام یہ ہیں: قیصرِ روم، خسرو پرویز (ایران)، عزیزِ مصر، نجاشی (شاہِ حبشہ)، روسائے یمامہ، رئیس حدودِ شام حارث غسّانی۔ ان سب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط مبارک کا احترام کیا سوائے ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے۔ اس کو بھیجا جانے والا نامۂ مبارک ''بسم اللہ الرحمن الرحیم، من محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی کسریٰ عظیم فارس سلام'' سے شروع ہوتا تھا۔ اس نے اس اشتعال میں کہ میرے نام سے پہلے اللہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک ہے، خط مبارک چاک کر ڈالا۔ لیکن ہوا کیا کہ چند ہی ہفتوں کے اندر اندر اس کی شان و شوکت والی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گئی۔ اُسے اس کے بیٹے نے قتل کر ڈالا، پھر بیٹے کو اس کے وزیر نے قتل کر دیا اور پوری سلطنت کا شیرازہ چند ہفتوں میں بکھر گیا۔

معاہدۂ حدیبیہ کا ٹوٹنا:

معاہدۂ صلح حدیبیہ کی بدولت اتنا ہوا کہ کچھ عرصہ کے لیے امن وامان قائم ہو گیا لیکن کفارِ مکہ سے یہ معاہدہ نہ نبھ سکا۔ ہوا یوں کہ خزاعہ اور بنوبکر (دو قبائل) میں مدت سے لڑائیاں چلی آ رہی تھیں۔ معاہدہ حدیبیہ میں خزاعہ مسلمانوں کے اور بنوبکر قریش کے حلیف بنے، جس کی وجہ سے اُن میں ایک وقتی امن ہو گیا۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد بنوبکر نے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور سردارانِ قریش نے اعلانیہ اُن کی مدد دی۔ دونوں نے مل کر

خزاعہ کے لوگوں کی قتل و غارت کی۔ اہل خزاعہ میں سے چالیس لوگوں کا ایک وفد اپنی فریاد لے کر نبی اکرم ﷺ کے حضور حاضر ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے واقعات سنے تو آپ ﷺ کو سخت رنج ہوا۔ آپ ﷺ نے قریش کے پاس اپنا قاصد بھیجا اور تین شرائط پیش کیں کہ یا تو مقتولوں کا خون بہا دیا جائے یا قریش بنوبکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں اور یا پھر اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔ قرطہ بن عمر نے جوش میں آ کر قریش کی طرف سے کہا کہ انہیں صرف تیسری شرط منظور ہے لیکن قاصد کے واپس جانے کے بعد ان لوگوں نے محسوس کیا کہ یہ تو ان سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ اس کے بعد کفارِ مکہ نے ابوسفیانؓ کو صلح صفائی کے لیے مدینہ منورہ بھیجا لیکن انہیں ناکام واپس لوٹنا پڑا۔

آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ کی طرف روانگی کی تیاری کا حکم فرمایا۔ اتحادی قبائل کے پاس بھی قاصد بھیجے کہ وہ بھی تیار ہو کر شامل ہو جائیں۔ 10 رمضان المبارک 8ھ کو نبی اکرم ﷺ کی قیادت میں قافلہ نہایت عظمت و شان سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ دس ہزار کی فوج ہم رکاب تھی، قبائل عرب راہ میں آ آ کر شامل ہوتے جاتے تھے۔ مرالظہران پہنچ کر فوج نے پڑاؤ ڈالا۔ آپ ﷺ کے حکم سے ہر قبیلے کی فوج نے اپنا اپنا الاؤ آگ سے روشن کیا جس سے تمام صحرا وادیٔ ایمن بن گیا۔ کفار نے تحقیق کی غرض سے حکیم بن حزام، ابوسفیانؓ اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا۔ اس موقع پر حضرت ابوسفیانؓ نے بارگاہِ عالی ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

جب نبی اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو سوائے چند کفار کے اور کسی نے مقابلے کی جرأت نہ کی۔ لشکرِ اسلام پوری شان و شوکت کے ساتھ مکہ روانہ ہوا۔ آپ ﷺ تواضع کے ساتھ سر جھکائے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے کہ آپ ﷺ پر یہ عظیم الشان فتح اللہ تعالیٰ کا خاص انعام و احسان تھا، کسی نے مزاحمت کی جرأت نہ کی۔ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پر سورۃ فتح کی آیات مبارکہ تھیں، پھر آپ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف کیا، یہ جمعہ کے دن، 20 رمضان المبارک 8ھ کا واقعہ ہے۔

بیت اللہ کے اندر اور اردگرد 360 بت تھے، آپ ﷺ اپنی کمان مبارک ان بتوں کو مارتے اور وہ منہ کے بل زمین پر گر کر ٹوٹ جاتے۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر آیت کریمہ تھی۔

''حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا اور بے شک باطل ہے ہی نابود ہونے کے لیے'' (بنی اسرائیل:81)

اس موقع پر کفارِ مکہ سخت گھبرائے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا، کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟ وہ بولے کہ آپ ﷺ نیک بھائی ہیں اور نیک والدین کی اولاد ہیں۔ فرمایا، میں (ﷺ) تم سے وہی کہوں گا جو یوسف (علیہ السلام) نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا، آج تم پر کوئی باز پرس نہیں، جاؤ آج سے تم آزاد ہو۔ اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا یا خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا، اس کو امن دیا جائے گا اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم کے لیے یہ شرط بھی رکھی کہ جو ان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو امن دیا جائے گا۔

خطبۂ فتح:

فتح مکہ کے موقع پر جو خطبہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس کے مخاطب صرف اہل مکہ ہی نہیں بلکہ تمام عالم تھا۔

''ایک اللہ کے سوا اور کوئی الٰہ (معبود) نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور تمام گروہوں کو تنہا چھوڑ دیا۔ ہاں تمام مفاخر، تمام انتقاماتِ خون بہائے قدیم، تمام خون بہا، سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف حرمِ کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے قومِ قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار اللہ نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے ہیں۔''

پھر قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ پڑھی!

"لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لیے جاؤ۔ لیکن اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ اللہ، دانا اور واقف کار ہے۔"

ہجرت کا نواں سال:

☆ اس سال غزوہ تبوک کے علاوہ چند سرایا ہوئے۔

☆ مسجد ضرار گرانے کا واقعہ بھی اسی سال پیش آیا۔ (یہ عمارت منافقین نے تعمیر کروائی تھی اور اس میں بیٹھ کر وہ مسلمانوں کے خلاف تدابیر کرتے، بظاہر انہوں نے اسے مسجد کا نام دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع دے دی۔)

☆ اسی سال حج فرض ہوا۔ آپ ﷺ خود اس سال حج کے لیے تشریف نہیں لے گئے کہ وفود اور اُن کی تعلیم کی بے حد مصروفیت تھی۔ اس سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج مقرر فرما کر مکہ روانہ کیا، بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ فرمایا۔

☆ اسی سال آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

غزوۂ تبوک:

یہ غزوۂ ماہِ رجب میں ہوا۔ تبوک، شام کے اطراف میں ایک جگہ کا نام ہے۔ اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کو خبر پہنچی کہ روم کا بادشاہ ہرقل آپ ﷺ سے جنگ کے لیے لشکر لا رہا ہے۔ آپ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ خود اس پر لشکر لے کر جائیں۔ آپ ﷺ نے قبائل عرب کو بھی کہہ بھیجا۔ اس غزوہ میں تیس ہزار کا لشکر آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ تبوک پہنچ کر آپ ﷺ نے وہیں قیام کا ارادہ فرمایا۔ ہرقل نے ڈر کے مارے لڑائی کا ارادہ ترک کر دیا اور اس طرف نہیں آیا کیونکہ وہ سمجھ چکا تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں۔

ہجرت کا دسواں سال:

اس سال اور بہت سے واقعات کے ساتھ ایک اہم واقعہ حجۃ الوداع کا ہے، جو آپ ﷺ نے ہجرت کے دسویں سال ادا فرمایا۔

حجۃ الوداع:

نبی اکرم ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا تو اس کا اعلان بھی کروا دیا گیا۔ اعلان سُنتے ہی ہر طرف سے لوگ اُمڈ آئے کہ آپ ﷺ کی معیت میں یہ مبارک فریضہ ادا کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں حج کے مناسک اور احکام تعلیم فرمائے، وقوفِ عرفات کیا اور وہ معروف خطبہ ارشاد فرمایا جسے خطبۂ حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے، اس تاریخی خطبہ کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ حمد وثناء: سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، ہم اسی کی حمد کرتے ہیں، اسی سے مدد چاہتے ہیں، اسی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں، اسی سے توبہ کرتے ہیں اور ہم اللہ ہی کے ہاں اپنے نفسوں کی برائی اور اعمال کی خرابیوں سے پناہ مانگتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت کی راہ نہیں دکھا سکتا۔

۲۔ اعلانِ توحید ورسالت: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کا بندہ اور رسول ہے۔

پھر فرمایا کہ اے لوگو! میری بات غور سے سنو، میں ﷺ تمہیں وضاحت سے بتا دیتا ہوں کہ میں ﷺ نہیں سمجھتا کہ اگلے سال میں تمہیں اس جگہ دوبارہ مل سکوں گا۔

۳۔ خوفِ الٰہی اور بھلائی کی تاکید: اللہ کے بندو! میں ﷺ تمہیں اللہ سے ڈرنے کی تاکید اور اس کی اطاعت پر آمادہ کرتا ہوں اور میں ﷺ اسی سے ابتدا کرتا ہوں، جو بھلائی ہے۔

۴۔ رسوم جاہلیت کا خاتمہ: ہاں! دورِ جاہلیت کے تمام دستور میرے قدموں تلے ہیں۔

(بقیہ: بچوں کا صفحہ: صفحہ نمبر 45)

سیاسی اجیلہ

ترویج سلسلہ میں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کا کردار

ابوزید محمد اکرم

آج کے دور میں جدید ذرائع ابلاغ جس میں اشاعتی اور برقی ذرائع ابلاغ (پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا) شامل ہیں نے بے پناہ اہمیت اختیار کر لی ہے۔ یہاں تک کہ حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ میں بھی ان کا بڑا اہم کردار (role) ہوتا ہے۔ اس لیے حکومتیں، ایجنسیاں اور سیاسی پارٹیاں ذرائع ابلاغ میں نفوذ کرنے کی پوری کرششیں کرتی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی کردار سازی میں تو اس نے آسمانوں کو چھو لیا ہے۔ عوام الناس خصوصاً بچے اور نوجوان ان لوگوں کی پیروی کرنے اور ان جیسا بننے میں فخر محسوس کرتے ہیں جن کو ذرائع ابلاغ ہیرو بنا کر دکھاتے ہیں، چاہے وہ کھلاڑی ہوں یا گانے بجانے اور ناچنے والے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ نے بھی لاہور میں ایک میڈیا سیل قائم کیا ہے جس کے نگران جناب رحمت اللہ ملک صاحب ایڈووکیٹ ہیں۔

قبل ازیں اس میڈیا سیل میں حضرت جی مدظلہ العالی کے آڈیو ویڈیو بیانات کی ریکارڈنگ کرنے کے بعد باقاعدہ ایڈٹ کر کے کیسٹس اور سی ڈیز بذریعہ کوریئر پاکستان کے تمام شہروں میں ارسال کی جاتی تھیں۔ اس دفتر سے تمام قومی اور بین الاقوامی اخبارات میں سلسلہ عالیہ اور تنظیم الاخوان کی پریس ریلیز جاری ہوتی تھی اور تمام اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جاتا تھا اور اس کی کاپی مرکز دارالعرفان میں ہر ماہ رپورٹ کے ساتھ ارسال کی جاتی تھی۔

2001 میں مجھے اس میڈیا سیل میں جز وقتی ملازمت مل گئی اور مجھے پرنٹ میڈیا کی ذمہ داری سونپی گئی۔ رحمت اللہ ملک صاحب نے الیکٹرانک میڈیا پر حضرت جی مدظلہ العالی کے ویڈیو بیانات چلوانے کے لئے اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ میڈیا سیل میں باقاعدہ کیمرہ مین اور بیانات کو ایڈٹ کرنے کے لئے سٹاف رکھا گیا لہٰذا بیانات کو باقاعدہ ایڈٹ کر کے ٹی وی چینلز کو بھیجا جاتا تھا۔ شروع میں ''روشنی'' چینل پر پروگرام نشر ہوتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ لبیک، رائل، یونی پلس ٹی وی اور دیگر چینلز پر حضرت جی مدظلہ العالی کے بیانات نشر ہوتے رہے ہیں۔

پنجابی زبان کے ٹی وی چینل ''اپنا'' پر رمضان المبارک میں ہر سال حضرت جی مدظلہ العالی کے پروگرام نشر ہو رہے ہیں۔ اس کامیابی کے بعد ''اپنا'' چینل کی فرمائش پر رحمت اللہ ملک صاحب نے حضرت جی مدظلہ العالی سے پنجابی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر کی ریکارڈنگ کی درخواست کی جسے پسند فرماتے ہوئے حضرت جی مدظلہ العالی نے رمضان المبارک کے مہینے میں ہی ریکارڈنگ شروع کرا دی ''اپنا'' چینل پر کئی سال پنجابی تفسیر قرآن نشر ہوتی رہی۔

2006ء میں مجھے سیکرٹری نشر و اشاعت تنظیم الاخوان لاہور ڈویژن کی ذمہ داری سونپی گئی۔ الحمدللہ پوری کوشش جاری ہے کہ پرنٹ میڈیا میں زیادہ سے زیادہ مضامین شائع ہو سکیں۔ روزنامہ جنگ، پاکستان، نئی بات، ہفت روزہ ندائے ملت اور ہفت روزہ مزدور کے علاوہ دیگر اخبارات میں حضرت شیخ المکرم مدظلہ العالی اور ناظمِ اعلیٰ بھائی عبدالقدیر اعوان صاحب کے انٹرویوز اور مضامین شائع ہوتے رہے ہیں اور ابھی بھی شائع ہو رہے ہیں۔

دفتر تنظیم الاخوان لاہور ڈویژن کی کوششوں سے ''جیو نیوز'' کے پروگرام ''ایک دن جیو کے ساتھ'' کے علاوہ ''سماء'' ٹی وی چینل

والوں نے حضرت جی مدظلہ العالی کے شب وروز کے دو پروگرام دارالعرفان میں ریکارڈ کئے جو سماء ٹی وی کے پروگرام ''قطب آن لائن'' میں ٹیلی کاسٹ ہوئے جو عوام الناس میں بہت مقبول ہوئے۔ دفتر تنظیم الاخوان لاہور ڈویژن کی کوششوں سے بھائی جان عبدالقدیر اعوان صاحب کے بھی کئی پروگرامز سماء ٹی وی پر ٹیلی کاسٹ ہوئے۔

رحمت اللہ ملک صاحب نے ذاتی طور پر کوشش کر کے لاہور ڈویژن کے تمام اضلاع میں کیبل آپریٹرز سے ملاقاتیں کر کے پچاس سے زیادہ کمپیوٹرز میں حضرت جی مدظلہ العالی کی پنجابی تفسیر قرآن اور دیگر مختلف موضوعات پر مشتمل ڈیٹا Feed کر کے لگوائے۔ اس طرح لاہور ڈویژن کے تمام اضلاع میں کافی عرصہ تک کیبل نیٹ ورک پر بیانات نشر ہوتے رہے بعض جگہوں پر ابھی بھی نشر ہو رہے ہیں۔

رحمت اللہ ملک صاحب نے حضرت کو قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کے لیے عرض کی۔ شروع میں تو صرف دو (2) پاروں کا ترجمہ کیا گیا لیکن بعد میں حضرت جی مدظلہ العالی نے مکمل ترجمہ کر دیا جسے ''اکرم التراجم'' کے نام سے شائع کیا گیا۔ ''اکرم التراجم'' انتہائی سادہ فہم ہے جسے عام آدمی نے بہت پسند کیا۔ ترجمہ ''قدرت اللہ کمپنی لاہور'' نے شائع کیا ہے۔ عام لوگ بھی اکرم التراجم کا مطالعہ کرنے میں دلچسپی لے رہے ہیں۔

دفتر تنظیم الاخوان لاہور ڈویژن کی کوششوں سے کوہ نور ٹی وی چینل پر حضرت جی مدظلہ العالی کا ایک خصوصی انٹرویو ٹیلی کاسٹ ہوا جس کے بعد تقریباً ایک سال سے ''چینل ۵'' پر ''المرشد'' کے نام سے پروگرام نشر ہو رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ''المرشد'' کے نام سے پروگرام کا آغاز ہونا ایک بڑی کامیابی ہے۔ یہ پروگرام ہر جمعہ کو صبح گیارہ بج کر دس منٹ پر ٹیلی کاسٹ ہوتا ہے۔ جس میں چینل ۵ کے اینکر منور عتیق صاحب اپنی ٹیم کے ساتھ جا کر پروگرام کی ریکارڈنگ کرتے ہیں یہ پروگرام مختلف موضوعات پر ہوتا ہے جن میں حضرت جی مدظلہ العالی سے تصوف اور دیگر موضوعات کے حوالے سے سوال جواب کی نشست ہوتی ہے۔ اگر یہ پروگرام اسی طرح مسلسل ٹیلی کاسٹ ہوتا رہا تو ان شاء اللہ اُمید ہے اس سے عوام الناس دین سے اور خصوصاً تصوف اور تزکیہ سے کافی روشناس ہوں گے۔

اسی طرح روز نامہ ''اساس'' کے ایڈیٹوریل صفحہ پر حضرت مدظلہ العالی کی کتاب ''کنز الطالبین'' مکمل قسط وار شائع ہوتی رہی اس سے عام لوگوں نے بہت استفادہ کیا۔ سوشل میڈیا کے ذریعے بھی حضرت مدظلہ العالی کے بیانات کے چھوٹے چھوٹے Clips اپ لوڈ کئے جا رہے ہیں اس سے بھی ترویج سلسلہ میں بہت آسانی ہوئی ہے۔

آج پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کی ضرورت اور اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس شعبے میں محنت کی ضرورت ہے جو الحمدللہ جاری ہے۔ حق بات کو عام لوگوں تک پہنچانے کا یہ بہت اہم ذریعہ ہے۔ اس سلسلے کو مزید تقویت بخشنے کے لئے پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا سے متعلقہ لوگوں کے ساتھ ملاقاتیں ہو رہی ہیں اور اس کام میں مزید بہتری لانے کے لئے بھی کوششیں جاری ہیں۔

''یہ یاد رکھیں! اسلام کو قیامت تک رہنا ہے اور ایسے لوگ بھی قیامت تک رہیں گے جو اپنا معاملہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ رکھیں گے۔ ایسے لوگ بھی قیامت تک رہیں گے جو ہر بات ہر دکھ اپنے رب سے کہیں گے، ہر کام اپنے نبی ﷺ کی پیروی میں کریں گے۔ قرآن بھی قیامت تک رہے گا انشاء اللہ العزیز اور قرآن پر عمل کرنے والے بھی رہیں گے۔ کوئی یہ نہ سوچے کہ میں چھوڑ دوں گا تو اسلام کا نقصان ہو گا کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں بھلا دوں گا تو قرآن ختم ہو جائے گا۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں حفاظت نہیں کروں گا تو دین ختم ہو جائے گا جو خود کو الگ کر لے گا وہ خود تباہ ہو گا۔

اُس کا کیا ہے تم نہ سہی تو چاہنے والے اور بہت''

الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

علم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج، اقبال کے شاہینوں کا مسکن، راولپنڈی بورڈ اور پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن سے الحاق سے مسلسل دس سال راولپنڈی بورڈ سے

پوزیشن لینے والا واحد ادارہ

ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

پری کیڈٹ تا ایف ایس سی

صقارہ سائنس کالج

داخلہ جاری ہے

پری میڈیکل، پری انجینئرنگ	داخلہ ایف ایس سی پارٹ 1	پری کیڈٹ اور آٹھویں جماعت
ہاسٹل کی سہولت بہترین ماحول	صحت افزا مقام	شاندار مستقبل کے لئے نادر موقع

طلباء کی کردار سازی کے ساتھ ساتھ چار گھنٹے رات ساڑھے دس بجے تک قابل اساتذہ کی نگرانی میں کوچنگ کا اہتمام

پرنسل حاجی محمد خان ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی، ایم ایڈ (ریٹائرڈ ڈائیگزیکٹو آفیسر محکمہ تعلیم گورنمنٹ آف پنجاب)

مزید معلومات کے لئے براہ راست رابطہ کریں۔ صقارہ سائنس کالج دارالعرفان، منارہ ڈاکخانہ نور پوری ضلع چکوال۔ فون نمبر: 0543-562222, 562200

FOR FEED BACK: SIQARIAH@SIQARIAHEDU.COM, SIQARAHEDU.COM
VICEPRINCIPL@SIQRAHEDU.COM , VISIT AT: WWW.SIQARAHEDU.COM

خوشخبری

حضرت امیر المکرم کے نو دریافت طبی نسخوں میں اضافہ

حضرت امیر المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ صحیح معنوں میں ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو ان کی دسترس سے باہر ہو۔ طب و حکمت سے تو بطور خاص ہر دور میں صوفیاء عظام اور علماء کرام کو خاص شغف رہا۔ حضرت امیر المکرم بھی اس شعبہ میں پیچھے نہیں اور مختلف جڑی بوٹیوں اور قدرتی اجزاء سے ایسے نسخہ جات دریافت فرما رہے ہیں جو مختلف بیماریوں سے نجات کیلئے انتہائی مؤثر ہیں حال ہی میں حضرت امیر المکرم کے نو دریافت نسخہ جات میں انتہائی خوش آئند اضافہ ہوا ہے۔ ضرورت مند استفادہ کر سکتے ہیں۔

کلسٹرو کیئر Cholestro Care — Rs.300 — کلیسٹرول کو صحیح حالت پر رکھتا ہے

Cough E2 — Rs.30 — کھانسی کیلئے گولیاں

پین گو Pain Go — Rs.100 — مالش کیلئے ہر طرح کے درد کیلئے مفید ہے

کیوریکس Curex — Rs.225 — کھانے کیلئے جوڑوں کے درد اور کمر کے درد سمیت ہر قسم کے دردوں کیلئے

ہیئر گارڈ آئل Hair Guard Oil — Rs.500 — بالوں کی صحت کیلئے مفید ہے

Detergent Super Wash — Rs.75

Shampoo Hair Care — Rs.160

0321-6569339

ملنے کا پتہ

دارالعرفان منارہ ضلع چکوال فون: 0543-562200

17- ادیسیہ ٹاؤن شپ، لاہور فون: 042-35182727

immediately accepted but the destruction occurred many years later. This shows that the time between the acceptance of a prayer and the occurrence of its effects is only in the Knowledge of Allah-swt. Therefore, the Holy Prophet (SAWS) said that although the prayer is accepted but the time of its fulfilment depends on the Will of Allah-swt, and it could take time. On the contrary sometimes the effects appear instantly as soon as the prayer is made. In some cases the effect which a person desires does not appear at all because, it would have had a bad effect upon him, therefore, Allah-swt blesses him with an alternative with good effects. A mother would never give a knife or a blade to her child because she knows it would harm him.

We do not even know what would be the result of our wishes and desires get answered. For example, if someone's eyesight had returned, it is possible that he starts committing sins which he did not when he was blind. This is why Allah-swt, the Most Gracious always blesses us with the things which are beneficial for us. In the above case the prayer is answered but in a different form than that desired by the believer, and the things which are bestowed upon us are a substitute of those which we wanted.

A third scenario is where the prayer is not being fulfilled in this world. The Holy Prophet(SAWS) has stated that"on the Day of Judgment when a person's good and bad deeds would be put in the Meezan(balance) the angels will request Allah-swt about a decision, and then Allah-swt, the Most Gracious will reply that I-swt have some of this person's deeds which only I-swt Know, so put those deeds as well on the balance along with the good deeds. These deeds about which only Allah-swt knows are those supplications which he made in the Court of Allah-swt but they were not fulfilled in this world".In common logic, the weight of a righteous act which was secretly held by Allah-swt for the Day of Judgment could be imagined and its effect on that person's Meezan would be profound. The Holy Prophet(SAWS) then states that "very pious people among the bondmen of Allah-swt and the exalted Aulia'-Allah would wish, had their prayers not be answered in the world, it would have been far better to obtain the gains on this tough day."

So, my brother, if you are praying about your wishes for the last twenty years, then you can imagine how much blessings of Allah-swt would be upon you on the Day of Judgment.

(To bo continued)

merits in Allah-swt Court.

Allah-swt, the most Gracious has decreed what is to happen in this Universe, even before it came into existence. The Holy Prophet(SAWS) has stated that the ink (of the book of fate) had dried and thereafter the components of the universe were created, meaning that the decisions about the fate of everyone and everything were made before the Universe was even created. He-swt knows how many breaths a person would take, how would he think and act. Details ranging from the motion of the particles, the formation of the living beings and especially humans, and their livelihood and earnings are in His-swt Knowledge. The decisions on all these things had been made long before they were even created. Understanding these facts will make our comprehension of the process of supplication much easier.

A prayer is also a part of the fine details of the system of Universe, and decisions about the request, their acceptance or rejection were made right at that time before the creation of the Universe. He-swt had already written in His-swt Book that how a person would make a supplication and whether it would be answered or not. The system created by Allah-swt is very intricately designed and it is not possible for others to make amendments in it. This means that a person's prayer is not a guideline for changing the plans and decisions of Allah-swt. His-swt plans are perfect and He-swt has already decided the fate of everything. A prayer is also part of the fate or Taqdeer. He-swt knows from the beginning what supplication a person would make and in return what would be blessed to him from My-swt court. The Holy Prophet(SAWS) detailed this matter very beautifully in his(SAWS) saying, where it is stated that the prayer of a believer is never rejected and the reason is that Allah-swt has stated this أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ, whenever My-swt bondmen request Me-swt, I-swt surely answer them.'

However, the acceptance of a supplication also has various forms. When Hazrat Moosa(AS) prayed to Allah-swt and said that ",Oh Allah-swt! These Egyptians have flourished far too long by Your-swt Grace, yet they refuse to accept Your-swt Deen and have become hostile to Your-swt Messenger(AS),so seal their hearts from accepting the true faith until they reach the gallows of death. Do not have Your-swt Mercy upon them in the form of repentance."Allah-swt replied to Hazrat Moosa(AS) that your prayer has been accepted. However, the Pharaoh was killed many years later. Although the prayer of Hazrat Moosa(AS) was

The Objective of Supplication

Translated speech of his eminence Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

From Previous Month

8th December 2013

The example of our supplication is that of a bird whose wings are tied and the body is anchored to the weight of Ribaa' and other major sins. This is purely the endless Mercy of Him-swt, Who-swt despite our sins, listens to our requests and accepts our worships, despite the fact that our worship and prayers are not worthy the entry, to His-swt Exalted Court.

In Islamic Shariah, obtaining our rights and striving for it is entirely permissible. In some situations if one wants to give up something, despite deserving, it has its merits. However, for the rights of others there is only one choice and that is to deliver rights to them. It is not permissible to violate the rights of others.

People tend to grab everything for their own benefits even if it includes violation of the rights of others. It is a very bitter fact that in our lifetime, we want to get our rights rather, acquire as much wealth as we can, and in doing so we forget the rights and needs of others. This very deplorable situation of our conscience, could predict the status of our faith and the reality of our supplications.

Another very important aspect of a supplication is that in reality a supplication and a prayer is merely a request in the Court of Allah-swt not a command as is widely perceived. A common observation is that people keep insisting that their supplications be answered, which implicates that they do not think of it as a request, rather an order. A supplication is indeed a gentle request in the Court of Allah-swt and it should always be remembered that the office where you are placing your request has the complete right to either accept or reject it. Insisting on a wish to become 'true' in any case implies that you think of a prayer as a command and not a humble request. This is the real point over which we need to ponder. A prayer is not an order, rather a prayer is a humble request and its acceptance or rejection depends upon the Will of the Lord-swt. Still His-swt Graciousness is so great that the believers are blessed by His-swt Court for merely making a request. Making a request carries its own

THIRD WORLD WAR
1979
RUSSIA TAKES OVER AFGHANISTAN
WORLD UNITES TO FIGHT RUSSIA
RUSSIA BREAKS
THIRD WORLD WAR

The American and British officers took a lot of interest in this poster.

They asked: How do you know
'You will see when it happens'.
Who will win this war
'We will win this war'.

Today, Hazrat Ji(rua's) words about Russia are recorded in the annals of the history of the destruction of nations, but the American and British student officers of the Staff College Course 1975 ,must surely be remembering the Meena Bazaar as well as Major Gulzar and also be wondering who gave him that particular piece of news.

After some time, Hazrat Ji rua visited Kharian and a few army officers posted there, among them four Brigadiers, came to meet him. Zikr and meditations were being discussed. Suddenly one of the Brigadiers asked Hazrat Ji rua:

'You are making all this effort, but what are you going to do about the white elephant that is threatening our western borders'

Hazrat Ji rua remained silent for a short while and then replied;'We do not need to worry about that. You carry on with your job. Allah swt will destroy it'.

This Brigadier could not express his difference of opinion, but just laughed(in scorn). In just a few years, when the events took a turn, Captain Habibullah who was present at that meeting reminded him of his conversation with Hazrat Ji(rua) .He replied;'I was in a frivolous mood then, but now I have seen with my own eyes the words of Hazrat Ji rua coming true'.

On completion of the course, these officers were posted to important appointments, and proved an effective source of spreading the Silsilah within the armed forces.

Chapter 22

کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا

(Who is Mehr Ali and what is His Status to Extol Your saws Praises)

While still serving in the Jail Department, Hazrat Ji rua had already commenced a careful perusal of the Fitnah of Qadiyaniyat, whereas his general religious education commenced after he gave up service. He rua kept himself fully abreast of the Ulama's struggle in the Subcontinent against this Fitnah. In this context Hazrat Ji rua mentioned a Manazara of Sayyed Mehr Ali Shah Sahib rua (aka Hazrat Shah Sahib and Hazrat Pir Golarvi) where, along with his immense scholarship a streak of his spiritual influence could be sensed, a privilege solely reserved for the Aulia Allah. Such spiritual influence was demonstrated by Hazrat Ji(rua) as well.

The incident regarding Hazrat Pir Golarvi rua is described by Hazrat Ji rua in the following recording:

'Due to his illness, Hazrat Mehr Ali Shah rua was advised by the Ulema against attending the Manazara, but he replied that: I will most certainly go. Perhaps tomorrow on the Plain of Hashr, the Holy Prophet saws may not intercede for me saying that when it was a question of my saws respect, you made your illness an excuse not to attend the Manazara'. (To be Continued)

In May 1975, Hazrat Ji rua came to Quetta and resided at the Dairy Farm Masjid for two weeks. The Ahbab from Staff College would arrive at two thirty in the morning for the Tahajjad Zikr and leave after offering the Fajr Salah. In the evening they would come just before Maghrib Salah, do the Zikr and leave after the Isha Salah. In this tour Hazrat Ameer ul Mukarram-mza also accompanied Hazrat Ji rua. He also had a special sitting with the Instructors of the Staff College. Apart from the students of the Staff College, their wives too started Zikr in their homes. One day Hazrat Ji rua came to the Staff College exclusively for the ladies and conducted their Zikr session. On this occasion, Ghaus mentioned his wife's chronic illness, so Hazrat Ji rua cured the condition by his Tawajjuh, but he also stated that the cause of the illness was still present and it would reappear after some time. As he rua had said, the disease reappeared after a year's recovery.

Maraqbah Salb ul Amraz (The Maraqbah of the Extraction of Diseases)

This Maraqbah was mentioned during one assembly at Chakrala, and Hazrat Ji rua explained that by applying very forceful Tawajjuh, the disease could be removed. However, if it is not immediately cast away by inspiration, the person expelling the disease can be affected by it.

An event portraying the effectiveness of the Maraqbah of the Extraction of Disease is personally known to the author. Some time ago, Hazrat Ameer ul Mukarram-mza's brother in law, Malik Khuda Bakhsh suffered a severe heart attack in Munara, and was admitted to the A.F.I.C. Despite every possible medical aid, his condition in the CCU was so serious that his erratic pulse was registering a reading of 60 beats per minute in one instant and 160 in the very next. His chest pains were continuous and his condition according to medical opinion was critical. When the author informed Hazrat Ameer ul Mukarram-mza, Amma Ji could not bear to hear of her only brother's serious condition, and on her insistence Hazrat Ameer ul Mukarram mza did the Maraqbah of the Extraction of Disease, but while casting the disease away, his Tawajjuh alighted on the monkey in Dar ul Irfan. He immediately rang up a retainer to find out the monkey's condition and inform him. The retainer found the monkey sitting still, but as soon as he touched it, it fell down lifeless. Malik Khuda Bakhsh not only recovered completely but despite the passage of many years he has never had the same complaint again. In contrast to this, these personalities are totally helpless and weak before the Will of Allah-swt, because even the capacity to conduct these Maraqbaat is granted only by His Leave.

In one of his discourses to the Ahbab, in the Dairy Farm Masjid, during the same tour of Quetta, Hazrat Ji rua said' ,Russia will attack Afghanistan with its full might in 1979, then Russia will disintegrate and will beg for food.'

In this gathering of 1975 ,Major Gulzar was also present along with Major Ghaus. Immediately following Hazrat Ji rua's tour, a Meena Bazaar was held in the Staff College in which Major Gulzar was made a palmist. He added a bit of colour to Hazrat Ji rua's prediction and put up a large poster on his stall:

Hayat-e-Javidan Chapter 21 & 22

A Life Eternal(Translation)

FromPreviousMonth

Staff College Course(1975)

The Staff College Course of 1975 holds a very important position with regard to the spread of the Silsilah in the Pakistan Army. Major Ghaus was also one of the student officers. The specially selected students of this course had a very bright future ahead of them, and each of them was striving hard day and night desirous to achieve excellence. The invitation to practise Zikr in such an atmosphere indeed appeared difficult, but the Zikr sessions did commence with delicious afternoon snacks at Ghaus's house. These few moments of peace found during the gruelling schedule of the Staff College Course, carved out a daily routine to collect together for Zikr in the evenings. Soon the results of the Zikr began to manifest themselves. The life of each of the Sathis was undergoing a revolution. Several Ahbab started supporting beards. The daily count of the Sathis doing Zikr was about thirty, which swelled to over fifty at the weekend. Numbering among the Sathis from various Army units, were also religious teachers, Maulana Abdul Qadir Dervi, Qari Yar Muhammad, professors from the Bolan Medical College and other civilian Ahbab.

Once, the religious teacher of an EME unit also came to attend a session. He was, by belief, neither inclined towards Tasawwuf nor for offering Salah behind anyone. He was requested to lead the Maghrib Salah and thus was constrained to sit in the Zikr session that followed. He returned to Ghaus's home the next day at noon and told him that he had seen Hazrat Ji rua in his dream at night, although he had never met Hazrat Ji rua before, he took his address and presented himself in Chakrala.

Surely, the unusual activities of so many Ahbab getting together daily, start sporting beards and their weekly Ijtema assemblies could not go unnoticed. A Captain was assigned the duty of checking and reporting back. After sitting in the Zikr assembly a few times, he too started doing Zikr and supporting a beard. One day he posed a question'I come in an official car but what should I do now that the purpose of my coming here has changed'.He was advised to continue his duty and keep using the official car.

There are many such episodes, not just one or two. People came to these Zikr sessions on'duty,'but when they came across Zikr Allah, discourse about Maraqbaat, events of Barzakh and the Higher Realm, discussion about Spiritual Lights and Refulgence, they would realise that this temporary world was just not talked about in these assemblies, and they could not remain unaffected and would start doing Zikr.

Muharram 1436h

November
2014

ماہنامہ المرشد

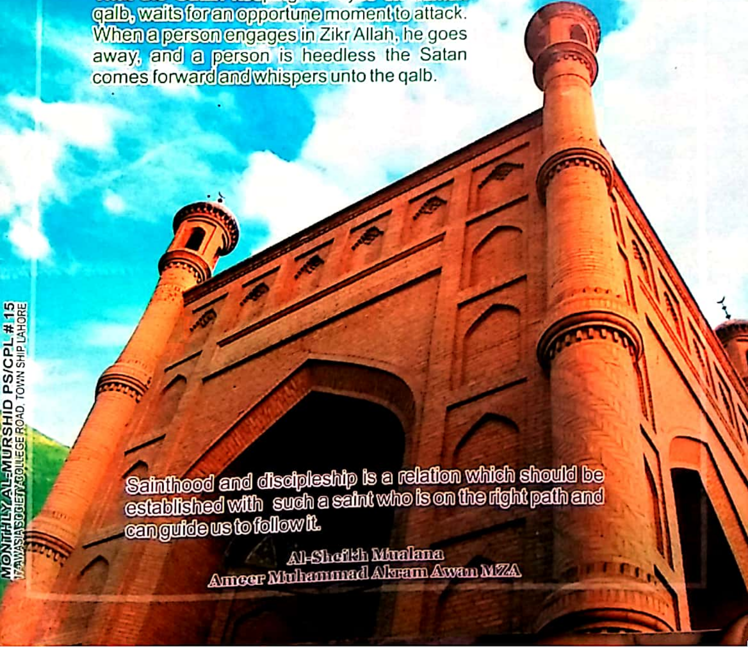

الشیطٰن جاثم على قلب ابن آدم فإذا ذكر الله خنس وإذا غفل وسوس (بخاری)

That the Satan keeping his eyes on human qalb, waits for an opportune moment to attack. When a person engages in Zikr Allah, he goes away, and a person is heedless the Satan comes forward and whispers unto the qalb.

Sainthood and discipleship is a relation which should be established with such a saint who is on the right path and can guide us to follow it.

Al-Sheikh Mualana
Ameer Muhammad Akram Awan MZA

MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15
17-AWAISIA SOCIETY COLLEGE ROAD, TOWN SHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیوویڈیوبیانات کوآپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے
آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جاکر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کرسکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کرسکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبدالباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255